ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت

ملتان

جنوری ۱۹۹۰ء

مدیر:

سید محمد کفیل بخاری

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ [شعبۂ تبلیغ] عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

افکارِ احرار

ختمِ نبوّت اور مرزائیت

عقیدۂ ختمِ نبوت اساسِ اسلام اور روحِ قرآن ہے۔ اگر مسلمان اس سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر ہو جائیں تو پھر محمّد عربی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا قرآن باقی رہتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی وہ تنزیہہ و تقدیس کہ جس پر آدم علیہ السّلام سے لے کر نبیِّ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء متفق ہیں۔

مرزائیت اسی اساسِ دین، روحِ قرآن اور جانِ اسلام پر مرتدانہ ضرب ہے میں اس کے استیصال کو ہر مسلمان کے لئے فرض نہیں بلکہ افرض جانتا ہوں۔ میں عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لئے اپنی زندگی کی آخری بازی لگا دوں گا۔

مرزائیت پاکستان کے مقدس جسم کا سیاسی ناسور ہے اگر حکمرانوں نے اس کا آپریشن نہ کیا تو یہ ناسور سارے جسم کو خدانخواستہ تباہ کر دے گا۔

لیکن!

میری جماعت مجلس احرارِ اسلام کے غیّور ساتھی یہ ظلم کبھی گوارا نہیں کریں گے، ہمارا عہد ہے کہ ہم اپنے عقیدہ، ملک اور قوم کی ہر قیمت پر حفاظت کریں گے اور مرزائیت کے ناسور کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کاٹ پھینکیں گے۔

امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

لاہور۔ ۱۱ر ستمبر ۱۹۵۲ء

۱۲ر ذوالحجہ ۱۳۷۱ھ

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوّت
ملتان

رئیس التحریر:
ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری

مدیر:
سید محمد کفیل بخاری

بابت ماہ: جمادی الثانی سنہ ۱۴۱۰ھ — جنوری سنہ ۱۹۹۰ء — جلد ۱ — شمارہ ۱

سرپرستانِ اکابر:

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ	مولانا محمد عبداللہ مدظلہ
مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ	مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ
مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ	مولانا محمد عبدالحق مدظلہ

حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ

رفقاءِ فکر

سید عطاء المؤمن بخاری	سید محمد ارشد بخاری
سید عطاء المہیمن بخاری	سید خالد مسعود گیلانی
سید عبدالکبیر بخاری	عبداللطیف خالد ○ اختر جنجوا
سید محمد ذوالکفل بخاری	عمر فاروق عمر ○ محمود شاہد
	قمر الحسنین ○ بدر منیر احرار

خطاطی سرورق: جناب سید انیس الحسینی ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی مدظلہ

زرِ معاونت اندرونِ ملک، بیرونِ ملک

سعودی عرب، عرب امارات	فی پرچہ: ۵/- روپے	امریکہ، برطانیہ، تھائی لینڈ
مسقط، بحرین، عراق، ایران	زرِ سالانہ: ۵۰/- روپے	ہانگ کانگ، برما، نائیجیریا
مصر، کویت، بنگلہ دیش، انڈیا		جنوبی افریقہ، شمالی افریقہ

سالانہ ۳۰۰/- روپے

پبلشر: سید محمد کفیل بخاری ○ پرنٹر: تشکیل احمد اختر ○ مطبع: تشکیل ز پرنٹرز، پرانی غلہ منڈی ملتان ○ مقامِ اشاعت: دار بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان

آئینہ

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
دل کی بات	مدیر	۳
مفکرِ احرار چودھری افضل حقؒ	شورش کاشمیریؒ	۵
تاسیسِ احرار	سید عطاء المحسن بخاری	۹
سیدہ فاطمہؓ کا جسدِ اطہر چوری کرنے کا خوفناک منصوبہ	یوسف سیّد	۱۶
نفاذِ شریعت اور فکرِ جدید	مولانا محمد اسحاق صدیقی	۱۸
اطاعتِ رسول	شاہ بلیغ الدین	۲۵
شیخ الصحابہؓ	مولانا عبدالحق چوہان	۲۷
سیدنا مروانؓ	حکیم محمود احمد ظفر	۳۰
اظہارِ حقیقت	مولانا عبدالحق چوہان	۳۳
آج کا مسلمان	علامہ میرناسک	۳۶
میرے دیس کے افسر	حُرّ آغانی	۳۷
زبان میری ہے بات ان کی	خادم حسین	۴۶
سوشل چینج	قمرالحسنین	۵۰
سفید کافرستان تک	سید عطاء المحسن بخاری	۵۱
تبصرہ کتب	سید محمد ذوالکفل بخاری	۵۴
چمن چمن اجالا	نمائندگان کی رپورٹیں	۵۵
پیاس کا الاؤ	ادارہ	۶۲
مطالبات	مولانا اللہ یار راشد	۶۳
مرغی مچھلی	مرتضیٰ خاور	۶۴

دِل کی بات

کائنات کی سب سے بڑی سچائی ؟

یُوں تو ہر گزرنے والا کل آنے والے کل کے لئے نقشِ عبرت ہوتا ہے۔ لیکن کچھ دِن ایسے بھی ہوتے ہیں جو تاریخِ عالم اور صفحۂ ارضی پر ایسے نقوش ثبت کرتے ہیں کہ وہ گُم کردہ راہ لوگوں کے لئے نشانِ منزل ہوتے ہیں ۱۹۸۹ء کا آخری سورج بھی انسانوں کی خدا سے سرکشی، نظامِ فطرت سے بغاوت، ظالموں اور آمروں کے خوفناک انجام، مظلوموں کی آہ و بکا اور مخلوق کے اپنے بنائے ہوئے نظاموں کی مسلسل شکست و ریخت کو اپنے جلو میں لئے اُفق کے اُس پار ڈوب گیا۔ کہنے والے کہہ رہے ہیں کہ "دنیا بدل رہی ہے" لیکن اس تغیر و تبدل کے اسباب پر غور نہیں کرتے کہ ایسا کیوں ہے؟ کمیونزم اس صدی کا ایک بڑا انقلاب تھا لیکن وہ اپنی عمرِ عزیز کے سو سال بھی پُورے نہ کر سکا۔ مارکس، لینن اور ماؤ کو انسانیت کا نجات دہندہ قرار دینے والے منہ چُھپاتے پھرتے ہیں، روس سے خُدا کو "کِک آوٹ" کرنے والے اور مذہب کو افیون قرار دینے والے آج خدا اور مذہب کے سہارے ڈھونڈ رہے ہیں۔ ہاں ہاں دنیا بدل رہی ہے آج لینن کے مجسمہ کے سامنے لاکھوں افراد کمیونزم کے خلاف بغاوت کا اعلان کر رہے ہیں ماؤ کی دنیا میں انسانی حقوق و آزادی کی بحالی کا مظاہرہ کرنے والے ہزاروں افراد گولیوں سے بھُون دیئے گئے، دیوارِ برلن پاش پاش ہو چکی ہے، رومانیہ کے کمیونسٹ صدر چاؤ شسکو کو کمیونسٹوں نے بھی پناہ دینے سے انکار کر دیا کل کے ہیرو کو آج آمر قرار دے کر ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دیا گیا۔ روس نے مدد سے انکار کر دیا اور امریکہ نے انقلاب کو مستحسن قرار دیا، پھر دونوں نے نئی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ پولینڈ نئی کروٹ لے چکا ہے، ہنگری میں انتخابات ہو رہے ہیں، خود روس کے علاقوں میں آزادی کی لہریں اُٹھ رہی ہیں۔ عوام نے کمیونزم کو فرسودہ قرار دے دیا ہے اور خُدا و مذہب کو نکالنے والے روس کے آذربائیجان میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کے نعرے گونج رہے ہیں، وہاں ہزاروں مسلمان آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں، مشرقی یورپ میں غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ اسلام کو فرسودہ قرار دینے والے ترقی پسند بھی مراجعت کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں —— افسوس اُن لوگوں پر ہے جو مشاہدہ کے بعد بھی "میں نہ مانوں" اور "کوّے سفید ہیں" کے مصداق کمزور تاویلوں کا سہارا لے کر اپنے شکست خوردہ فکر کی حقانیت پر زور دے رہے ہیں۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ یہ تبدیلیاں ارتقاء کی ایک شکل ہیں، مارکس ازم اور لینن ازم مذہب نہیں سائنس ہے۔ یعنی شکست اور زوال کو ارتقا اور سائنس کا نام دے دیا گیا ہے۔ جبکہ دنیا میں مذہب اور سائنس پر اعتماد بڑھ رہا ہے اور ترقی پذیر قومیں اسی راستے سے آگے بڑھ رہی ہیں

وحشت میں ہر اِک نقشہ اُلٹا ہی نظر آتا ہے ٭ مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے!

فکری و نظریاتی اعتبار سے شکست خوردہ، ذہنی انتشار کے شکار یہ لوگ "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے مترادف یہ دلیل پیش کرتے ہوئے دیکھے گئے کہ "سچائی سب سے بڑی قوت ہے اور عوام اس کا سرچشمہ ہیں" نہ جانے یہ لوگ مشاہدہ کے بعد بھی اظہارِ حقیقت سے کیوں عاری ھیں، قرآن کی زبان میں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں، سماعتوں اور بصارتوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ چوپایوں سے بھی بدتر ہیں۔ بگوشِ ہوش سنو! بیشک سچائی سب سے بڑی قوت ہے لیکن خدا کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے اور وہی قوت کا سرچشمہ ہے۔" انہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ کیمونزم کا بھیانک انجام جمہوریت کے عبرت ناک زوال کی نوید ہے۔ دنیا میں تغیر و تبدل کے اسباب میں سب سے بڑا سبب خالق کے فطری نظام سے بغاوت اور مخلوق کے غیر فطری نظام کی اطاعت ہے۔

جہادِ افغانستان کے دس سال : جہادِ افغان کو دس سال مکمل ہوئے اِس جہاد نے نہ صرف افغان عوام کو حوصلہ ہمت، عزم اور جینے کا شعور دیا۔ بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں میں زندگی کی ایک لہر پیدا کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ مغربی اور مشرقی دنیا کو بھی زبردست متاثر کیا۔ آج جہادِ افغانستان کے نتیجہ میں کیمونزم پوری دنیا میں ذلیل و رسوا ہو رہا ہے اور اشتراکی کوچہ گرد تیزی کے ساتھ اپنی بساط لپیٹ رہے ہیں۔ مجاہدین نے روس کو تاریخ کی ذلت آمیز شکست سے دوچار کر کے افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلانے پر مجبور کر دیا۔ گورباچوف بظاہر یہی کہہ رہے ھیں کہ اب افغانستان میں میری فوج نہیں لیکن مجاہد کی عقابی نظر دشمن پر ہے اُن کے بقول "بیس ہزار روسی فوجی" جو زبانی ملیشیا" کی صورت میں ابھی موجود ہیں اور ہم روسیوں کے مکمل انخلاء تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

افغانستان میں روسی جارحیت ہو یا پانامہ میں امریکی بربریت ہم دونوں کی مذمت کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک دونوں اسلام کے بھی دشمن ھیں اور انسانوں کے بھی،

جہادِ افغانستان میں لاکھوں شہیدوں کا خون دوڑ رہا ہے زیر دستوں کی بالادستی اور مظلوموں کی آہِ نیم شبی کی قبولیت کا ظہور ہو چکا ہے

اسلام ہو پھر غلغلہ اندازِ جہاں میں
افغان کی یلغار پہاڑوں کو ہلا دے

پاکستان کے حکمران اور سیاست دان اِن حالات سے سبق سیکھیں اور اللہ کی دی ہوئی مہلت کو غنیمت سمجھیں ورنہ ع تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

اچھی یادیں

آغا شورش کاشمیریؒ

مفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

ادیب ، مفکر ، سیاستدان

یہ مضمون آغا شورش کاشمیریؒ نے آج سے چالیس برس قبل چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "میرا افسانہ" کے دیباچہ کے طور پر تحریر کیا تھا۔

۸ جنوری ۱۹۴۲ء چودھری صاحب کا یوم وصال ہے۔ اسی حوالہ سے ہم جنوری کے شمارہ میں یہ مضمون ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں ——— (ادارہ) ———

دسمبر ۱۹۳۲ء کی ایک صبح کا ذکر ہے دفتر احرار میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری۔ مولانا مظہر علی صاحب اظہر۔ مولانا محمد گلشیر علیہ الرحمۃ شیخ حسام الدین صاحب۔ حضرت صوفی کاشمیری۔ خواجہ عبدالرحیم صاحب عاجز ——— اور چند دوسرے دوست جمع تھے۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی نے فضا کو قہقستان بنا رکھا تھا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری پھبتیوں کی بھاڑ باندھنے میں کچھ ایسے مشاق ہیں کہ بڑے بڑوں کی زبانوں میں لونی لگ جاتی ہے اور اچھے اچھوں کا شعلۂ گفتار کجلائی ہوئی آگ کی طرح ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ مولانا مظہر علی صاحب اظہر کی گفتگو کے تیور ہی انوکھے ہیں، اور عموماً واقعات و شخصیات سے مزاح پیدا کرتے ہیں مولانا محمد گلشیر مرحوم (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نورانی کرے) کی ثقہ باتوں میں بھی کبھی کبھی آہوانِ شہر کی شوخی جھلکتی تھی۔ شیخ حسام الدین کے فقرے اور خواجہ عبدالرحیم عاجز کے میٹھے پنجابی گیت دیہات پنجاب کی طرار دوشیزاؤں کے قہقہوں کی مانند کانوں کی راہ سے دل میں اُتر جاتے ہیں ——— اور صوفی کاشمیری کا تو رنگ ہی اور ہے، اساتذۂ ادب کے نشتروں کی چلتی پھرتی بیاض۔

شاہ جی طنزیات و مضحکات کے جدید و قدیم ہجویات پر حاشیہ آرائی فرما رہے تھے کہ میاں قمرالدین صاحب آ گئے۔ شاہ صاحب مسکرائے اور کہا "لیجئے میرا چلتا پھرتا بنک آ گیا ہے۔" میاں صاحب نے متبسم نگاہوں سے جائزہ لیا۔ اور پوچھا "یہ کیا گلشپ ہو رہی ہے؟"

"محض وقت کٹی" صوفی بولا

"نہیں خوش وقتی" ہم میں سے کسی ایک نے کہا۔

اور لطائف کی بازی بدنے لگی۔ باتوں باتوں میں اُردو کے اسالیب نثر کا ذکر آ گیا۔ میں نے عرض کی یہ سچ ہے کہ اُردو نثر کا پہلا سُلجھا ہُوا اسلوب غالب کے خطوط ہیں، لیکن زبان کی سادگی کا سہرا سرسید مرحوم کے سر ہے اُنہوں نے نہ صرف انشا پردازی کے پارینہ سومنات پر ضرب لگائی بلکہ مطالب و اسالیب کی نشاۃ ثانیہ کے محرک بنے اور نثر اُردو میں نکھری ہوئی چاندنی کا سا جوبن آ گیا۔ مولانا محمد حسین آزاد کے ہاں تکلفات کا خزانہ بدستور رہا۔ لیکن مولانا الطاف حسین حالی نے سادہ اسلوبِ نگارش ہی اختیار کیا۔ علامہ شبلی نور اللہ مرقدہٗ چونکہ ایک علمی محقق تھے اور علمیات کی زبان بہرحال عوام کی سطح سے کہیں بلند ہوتی ہے اس لئے اُنہوں نے بین بین ایک متین رنگِ تحریر پیدا کیا۔ شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم دہلی کی ٹکسال پر لٹو تھے جسے ایک مقامی رنگ کی جھلکیاں کہا جا سکتا ہے۔ شرر مرحوم کی نثر کا رنگ منفرد نہ تھا۔ لیکن سرشار منفرد تھا جس سے ایک صاحبِ طرز پہچانا جاتا ہے رتن ناتھ سرشار الفاظ کے شاہ خرچ تھے اور لکھنؤ کی ٹوٹتی ثقافت کے نقاش اس دور کے نثری ارتقا میں مولانا ابوالکلام آزاد کی انشا پردازی عرب کے شہسواروں کی صدائے رجز ہے اور ان کے مرصع فقرے غالب ہمہ تن خامہ نوائے سروش ہے کی شرح جمیل۔ مولانا ظفر علی خان صاحب طرز ادیب ہیں لیکن ان کے نمک الفاظ ہواؤں کی طرح پُرسکون نہیں بلکہ سمندری موجوں کی مانند سرکش اور بے باک ہوتے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی کے قلم کی چتون نہایت تیکھی ہے اور اس کی وجہ دہلی کا اچھوتا بانکپن ہے --- ع

شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

نثر کے جدید اسالیب کچھ ایسے ہیں کہ اب "قلمکاروں" کی جگہ

فنکاروں کی کھیپ آ رہی ہے یعنی صنعت انشاء کی جگہ نفسِ مضمون میں ندرت پیدا کی جاتی ہے اور زندگی کی ہمہ گیری کے باعث الفاظ کی بِنا کاری کو ثانوی جگہ دے دی گئی ہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں لیکن بڑی وجہ بین الاقوامی پیداواری تعلقات ہیں جو سائنس کی عظیم الشان ترقیات کے باعث کرۂ ارض کی مختلف آبادیوں کو ایک مسلسل آبادی کی صورتیں مربوط کئے ہوئے ہیں اور طبائع انسانی ہر شعبۂ حیات میں اختصار پسند ہو گئی ہیں۔ چونکہ دائرۂ زندگی وسیع ہو گیا ہے اس لئے ادب بھی کئی اصناف میں منقسم ہے اور ہر صنف بجائے خود ایک مکمل باب ہے۔

تنقیدی ادب کے مختلف زاویے ہیں۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ اسلامیات کا مرکز ہے۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے یورپی ادب کی ٹھوس معیاری کتابیں ترجمہ کی ہیں جو تاریخ، ریاضی، تمدن، معاشرت، علم نفس اور سائنس کا ایک قابلِ قدر ذخیرہ ہے۔ انجمن ترقی اردو دہلی اردو کی جامعیت کو بہ لحاظِ فن پورا کر رہی ہے۔ ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد اسی شاہراہ پر گامزن ہے۔ جامعہ ملیہ دہلی "سیاسیات" کی تشنگی بجھا رہا ہے۔ پنجاب میں ادب و شعر کے نئے نئے تجربے کئے جا رہے ہیں بالخصوص اردو صحافت میں اولیت کا سہرا پنجاب ہی کو حاصل ہے۔

جہاں تک افراد اور نثر کے مختلف دائروں کا تعلق ہے علمیات، ادبیات اور درسیات میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالحق پنڈت برجموہن دتاتریہ، ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر محیب حسن، ڈاکٹر رضی الدین، ڈاکٹر یوسف حسن، پروفیسر محمود شیرانی، علامہ تاجور نجیب آبادی، علامہ عبداللہ العمادی اور ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی مساعی ناقابلِ فراموش ہیں۔

نئے ادبی نقادوں میں ڈاکٹر محی الدین زور، سید احتشام حسین، مجنوں گورکھپوری، کلیم الدین ایم۔ اے، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، آغا بیدار بخت خاں ایم۔ اے، ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، سید آل احمد سرور، پروفیسر رشید احمد صدیقی کا زاویہ نگاہ قدیم اندازِ تنقید سے قطعی مختلف ہے۔ مزاح میں فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی اور جناب پطرس مخصوص انفرادیت کے مالک ہیں۔ منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ کا طنز جراح کے نشتر کی طرح تیز تھا لیکن قاضی عبدالغفار ایڈیٹر پیام حیدرآباد دکن کا طنز تیکھا اور ہلکا ہوتا ہے یعنی قہقہہ اور تبسم کے بین بین۔ عبدالمجید سالک قومی معاملات میں شخصیات اور واقعات سے تضحیک کا ادبی پہلو نکالنے میں لاثانی ہیں۔ ظفر علی خاں، محمد رفیع سوداؔ اور انشاء اللہ خاں انشا کی طرح منتقم زیادہ ہیں اور حریفِ سخن کم، اور بقول غالب ؎ کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی۔ "سندباد جہازی" کے اسلوبِ نگارش پر فسانہ آزاد کا پرتو ہے اور ہمیشہ "مطائبات" میں متاعِ غیر سے دکان سجاتے ہیں لیکن اُن کے پیمانوں کا بادہ بھی کبھی خود کشیدہ بھی ہوتا ہے۔

افسانہ نگاری میں منشی پریم چند کی سی خوبی اس کے ہمعصروں اور پیروں میں نہیں اگرچہ افسانہ اور ناول کا ذوق روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور ہمارے شگفتہ قلم نوجوان اس میدان میں خوب خوب تجربے کر رہے ہیں۔ کرشن چندر تو جلد جلد شہرت کے زینہ پر پہنچ گیا ہے لیکن دیویندر ستیارتھی کے مشاہدہ میں عمق زیادہ ہے اور احمد ندیم قاسمی کے دیہاتی افسانوں کا گھاؤ گہرا ہے۔ مرزا ادیب نے صحرانورد کے خطوط میں اپنے فن کی معراج کا پتہ دیا تھا۔ لیکن صحرانورد کے رومان، غلاموں کی بغاوت اور موت کا راگ میرزا ادیب کی وجہ سے مشہور ہیں جیسے فسانہ آزاد کی وجہ سے رتن ناتھ سرشار مشہور ہوئے! اور ان کی دوسری تصانیف خود انکی وجہ سے مشہور ہیں۔ میں ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ خواجہ عبدالرحیم عاجز نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا چودھری صاحب مرحوم کا ادبی رتبہ کیا ہے؟

میں نے عرض کی "ان کی سیاسی عمر ادبی عمر سے کہیں زیادہ ہے۔

عاجز۔ اس کا مطلب؟

میں۔ مطلب تو واضح ہے کہ تاریخ انہیں دیر تک ادیب کی بجائے سیاسی زعیم کی حیثیت میں محفوظ رکھے گی۔

عاجز۔ تو کیا ابوالکلام اور ظفر علی خاں کی پوزیشن بھی یہی ہے۔

میں۔ ابوالکلام استثنائی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظفر علی خاں ادبیات کی راہ سے سیاسیات میں داخل ہوئے ہیں اور چودھری صاحب نے سیاسیات کیلئے ادبیات میں قدم رکھا ہے۔ اس کے علاوہ چودھری صاحب ادبیات کو کسی مقصد کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انہیں ادبیات سے اس لئے لگاؤ ہے کہ وہ اپنے ماحول کے مزاج سے آشنا ہیں اور طاؤس و رباب کے شیدائیوں سے انہی کے رنگ میں اپنی سی بات کہنا چاہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ انہوں نے ادب کو ادب کی خاطر نہیں بلکہ نفسیاتِ عمومی کے اندازہ شناس کی حیثیت میں مقصد کی خاطر اختیار کیا ہے اور ان کی جبینِ افکار پر شعر و ادب کی درخشندگی کے ساتھ ساتھ سیاسیات کی برہمی پائی جاتی ہے۔ جو انہیں مولانا محمد علی مرحوم کی طرح ایک سیاسی راہنما کے طور پر متمیز کرتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ چودھری صاحب کی "زندگی" "آزادیٔ ہند" "محبوبِ خدا" "جواہرات" "دینِ اسلام" اور "میرا افسانہ" وغیرہ تصنیفات اردو نثر میں اپنا ادبی درجہ نہیں رکھتیں۔ اور ان میں اسالیبِ بیان کی خوبصورتی نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ہے اور ایک صاحبِ طرز کا سا انداز رکھتا ہے۔ لیکن علامہ اقبال کی طرح وہ ادیب و شاعر کے مقام سے آگے ہیں اور یہی ان کی بنیادی خوبی ہے۔

علامہ اقبال متاعِ دین و دانش کے لٹ جانے پر پکارتے تھے کہ "یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی؟" اور پھر ہندوستانی مسلمانوں کی سرد لاش پر نوحہ کرتے ہوئے لکھا تھا ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے • مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

لیکن چودھری صاحب کے ہاں قنوطیت کا گذر تک نہیں اور نہ الم و یاس کی تلخیاں ہیں۔ انکے نزدیک زندگی خیر الناس من ینفع الناس کا آئینہ ہے۔ جو شکست سرائی سے زنگ آلود ہوتا ہے اور ماضی کی یاد میں سینہ کوبی سے ٹوٹ جاتا ہے۔

ان اشارات سے علامہ اقبال مرحوم کی فکر کا استہزا منظور نہیں بلکہ ایک ہی منزل کے دو مختلف راہیوں اور داعیوں کی دعوتِ سفر اور اندازِ رفتار کے حدود واضح کرنا مقصود ہے ——— "زندگی" بقول چراغ حسن حسرت صحتِ خیال اور پاکیزگیٔ مطالب کے اعتبار سے دَورِ حاضر کے اکثر معنی طراز ادیبوں کی دقیقہ سنجیوں پر فوقیت رکھتی ہے اور اس کی سطور میں جوش و سرمستی اور خلوص و صداقت کا جو ہر کو نظر آتا ہے وہ ادیبوں کی الفاظ آرائیوں کو کہاں نصیب ہے ع

یک ذرۂ دردِ دل از علمِ فلاطوں بہ

"آزادیٔ ہند" ایک طویل افسانہ ہے جو ہندو مسلم اتحاد کے صادقانہ جذبہ پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں چودھری صاحب کا پیرایۂ بیان اور مقصد کی افادیت صبح بہار کی طرح خنداں ہے۔ بعض ناول نگار اور افسانہ نویس اپنے افادی پہلو کو کہانی کے پس منظر میں رکھتے ہیں اور اپنے پلاٹ کا تانا بانا بُنتے ہیں۔ چودھری صاحب نے آزادیٔ ہند میں کہیں بھی اہمال اور ابہام پیدا نہیں ہونے دیا۔ بلکہ پس منظر کو اوّل، پلاٹ کو دوم اور زبان کو سوم جگہ دے کر ان تینوں کے امتزاج سے ایک ایسا خمیر تیار کیا ہے۔ جو کسی طرح ایک مؤثر سیاسی نسخے سے کم نہیں۔

سارے افسانے میں شاعر کی زبان، سیاسی راہنما کا نصب العین اور بے خوف سپاہی کی گرمجوشی پائی جاتی ہے۔

"محبوبِ خدا" ایک نثری نعت ہے شروع سے آخر تک سیرتِ رسول کو عقیدت و اختصاص کی زبان میں بیان کیا ہے اور اسوۂ حسنہ کے مختلف مظاہرات و مؤثرات سے مسلمانوں کو اخذِ خیر و برکت کی دعوت دی ہے غزوات کا تذکرہ خاص طور پر تلواروں کے صیقل کی طرح شفاف ہے۔

"جواہرات" چند افسانوں کا مجموعہ ہے۔ الفاظ سے طرح طرح کے رنگ پیدا کئے گئے ہیں۔ اس میں کچھ افسانے تو مترنم الفاظ کی ساحری ہیں اور کچھ افسانے ایک حادثہ، ایک سانحہ، ایک واقعہ اور ایک معاشرتی یا سماجی روایت کا مظہر ہیں جنہیں خوش آہنگ قلم سے افسانہ بنا دیا گیا ہے۔ دیپک راگ، اور کوئٹہ پر موت کا پہرہ پڑھنے سے مصورِ غم علامہ راشد الخیری کی تحریر کے تتبع کا قیاس ہوتا ہے جس طرح علامہ راشد الخیری افسانوی تکنیک کی بجائے اسلوبِ انشاء کو مقدم رکھتے تھے اور الفاظ پر ان کی استادانہ دسترس سے مختلف قسم کی فضائیں پیدا ہوتی تھیں یہی انداز جواہرات کا ہے کہ الفاظ اپنے گرد و پیش کی خود بخود نمائندگی کرتے ہوئے قاری کی گذرگاہ خیال سے گذر جاتے ہیں اور نتیجۃً افسانہ سمٹ کر سیاسی چوٹ یا تمدنی نشتر بن جاتا ہے۔

"دین اسلام" "تاریخِ حجاز" اور دوسری کتابوں میں ان کی موضوعی حیثیت کے علاوہ جو چیز قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے وہ چودھری صاحب کا پُر وقار انداز بیان ہے جو کبھی شوخی بن کر جھلکتا ہے کبھی تقویٰ کی طرح خشک ہو جاتا ہے کبھی پیار بھرا تبسم بن کر چھلکتا ہے کہیں رعنا فقرے رنگوں کے جز بیرے معلوم ہوتے ہیں اور کہیں عبارت اس قدر رُکھت آب ہو جاتی ہے جیسے نگاہِ غیر کی گستاخی سے کسی پردہ نشین کے چہرے پر سُرخی دوڑ گئی ہو۔ ان کے قلم کا ایک بنیادی وصف منظر نگاری بھی ہے جو بعض اوقات منظر سے زیادہ دلکش ہو جاتا ہے اور الفاظ کی تصویریں رنگوں کے نقوش سے بڑھ جاتی ہیں۔

"میرا افسانہ" حصہ اوّل و دوم، چودھری صاحب کے خود نوشتہ حالاتِ زندگی ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنا اسلوبِ نگارش یہاں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا لیکن بعض مقامات پر رُک سے گئے ہیں یعنی ایک طرح کی افسردگی سی پائی جاتی ہے اور غالباً اسکی وجہ انکی بیماری ہے چونکہ اپنے آخری ایامِ زندگی میں وہ چراغِ مفلس کی طرح بجھ سے گئے تھے، اور مسلمانوں کے سیاسی جمود نے ان کے احساس و تفکر کو زیر دو زبر کر دیا تھا اس لئے ان کی تحریروں میں جو رنج زیادہ ہے وہ جوانی کی اُمنگیں نہیں رہیں عنفوانِ شباب کی جھلکیاں ضرور ہیں لیکن جوانی کا خمار نہیں ہے۔

اپنے سوانح زندگی آپ لکھنا خود ایک عظیم سانحہ ہے کیونکہ زندگی حرفِ گفتنی ہی نہیں سخنِ ناگفتنی بھی ہے، دوسرے الفاظ میں زندگی مجموعۂ اضداد ہے جس میں عمر کے سیاہ و سفید راتیں بھی آتی ہیں۔

اگرچہ شخصیات کے سوانح زندگی تاریخ کا جزو غیر منفک ہیں۔ اور اس سے ہمیں زندگی کے بننے بگڑنے کا علم ہوتا ہے۔ لیکن بہ قول سید سلیمان ندوی "سوانح نگار کا قلم اپنے ہیرو کی زندگی کا جو مرقع کھینچتا ہے وہ صرف ان کے ظاہری خط و خال کی نقاشی ہوتی ہے۔ عمق قلب کے اندر جو رموز اور اسرار ہیں اور جن سے اصل انسانیت عبارت ہے ان کی تصویر کشی کے لئے جو رنگ درکار ہے وہ دوسروں کو میسر نہیں آ سکتا۔ لوگوں کی خود نوشت سوانح عمریاں ایک حد تک اس کی تلافی کرتی ہیں لیکن چونکہ انسان یہ سمجھ کر اپنے حالات حوالۂ قلم کرتا ہے کہ ایک دن یہ مجموعہ لوگوں کے ہاتھ میں جائے گا۔ اس لئے اس تصویر میں جہاں عیب ہیں وہ ان پر سیاہی پھیرتا جاتا ہے اور اس بنا پر یہ مرقع بھی اصل کی سچی شبیہ نہیں ہوتی"۔

بین الاقوامی ادب سے قطع نظر اردو میں جس قدر خود نوشت سوانح عمریاں ہیں۔ (یہاں تراجم کا ذکر نہیں بلکہ بلاواسطہ اردو میں لکھی ہوئی سوانح عمریوں کا ذکر مقصود ہے) ان میں شاعری زیادہ اور اصلیت کم ہے اور غالباً ایک نغز گو شاعر اس سے بہتر طریق پر ایک حسین مرقع میں اپنی ساری زندگی کہہ ڈالتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے تذکرہ کے چند صفحوں میں اپنی زندگی کے چند مقامات کو نہایت خوبصورت کنایوں میں بیان کیا ہے لیکن حافظ کے یہ مصرعے اس سے کہیں مختصر اور جامع ہیں۔ کہ ع

ساقیا مرنج از من عالم جوانی است

یا ——— بہار توبہ شکن میرسد چہ چارہ کنم

تذکرے کے ان صفحوں کو پڑھتے جائیے، ایک ترنگ کا عالم ہوگا اور نتیجہ "ایک نالۂ گرم اور آہِ سرد میں پوری حکایت ختم ہے"۔ یا ابو طالب کلیم کے یہ چار مصرعے جنہیں مولانا نے اپنی پوری سوانح عمری قرار دیا ہے

بدنامیٔ حیات دو روزے نہ بود بیش
آنہم کلیم با تو بگویم چساں گذشت
یک روز صرفِ بستنِ دل شد باین و آں
روزے دیگر بکندنِ دل زین و آں گذشت

"میرا افسانہ" میں چودھری صاحب نے نہ تو مولانا ابوالکلام کی طرح اپنی زندگی کو خرمن و برق کا معاملہ اور آتش و خس کا افسانہ بنا کر انشاء پردازی کا معبد بنایا ہے اور نہ خواجہ حسن نظامی کی طرح "آپ بیتی" میں زمانے کے بدلتے رنگوں کی نمائش کی ہے۔ اپنی زندگی کے ابتدائی ایام کا تذکرہ کر کے مدرسہ و ملازمت کی کہانی چند صفحوں میں ختم کر دی ہے اور

پھر اپنے ذہنی میلان کی ابتدا کا افسانہ دُہرا کر ملکی حالات کی کشمکش قومی معاملات کی ہیروں جماعت احرار کی جدوجہد اور اپنے کردوعمل کی صراحت کی ہے جس سے ہمیں ہندوستانی سیاسیات کی تاریخ کے لئے بہتر مواد ملتا ہے۔

یہ کہنا تو غلط ہوگا کہ اس میں ان کی زندگی کے سارے خطوط ہیں، البتہ ان کی زندگی کا مرکزی خط (Main Point) ضرور ہے، اور اسی نقطے کے اردگرد انہوں نے اپنے سوانح زندگی بیان کئے ہیں۔

بہرکیف "میرا افسانہ" کے مطالعہ سے تاریخ احرار کا دماغ سمجھ میں آجاتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ چودھری صاحب کا اصل مقام کیا تھا ——— !!

حکیم آزاد انصاری مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

اس کو ناقدریٔ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مرگئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

مسلمانوں کا عالم تو یقیناً اس سے مختلف نہیں۔ وہ اپنے زعماء کو ان کی زندگی میں رُلاتے ہیں اور ان کی موت پر خود رونا شروع کرتے ہیں ——— !!

چودھری صاحب مرحوم اُنچاس برس کی عمر میں اُٹھ گئے۔ اب اُن کی ضرورت کا احساس روز بڑھ رہا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے جمود اور ناسمجھی نے کوئی کروٹ نہیں لی۔ اُن کی حالت مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں بدستور یہی ہے کہ ان کی پنڈلیوں کی سنگینی کے آگے پتھروں کے دل بھی ٹوٹ گئے ہیں۔

اگرچہ چودھری صاحب قنوطی نہ تھے۔ لیکن شاید اب ان کی روح یہ کہتی ہو ؎

اچھا ہُوا کہ زندگی اک مختصر ملی
ورنہ اُمیدؔ یاس کا قصہ دراز تھا

صوفی کاشمیری جو بالطبع قنوطی ہیں، پھڑک اُٹھے اور پھر کچھ سوچ کر یہ شعر پڑھا ؎

موت بھی بابِ حیاتِ جاوداں ہے اے خدا
ختم بھی ہوگی کہیں یہ داستانِ زندگی

میں یہی بات کہہ چکا تھا، مولانا مظہر علی صاحب اظہر نے فرمایا زندگی شاعری نہیں مسلسل فرض ہے، عاجز صاحب نے کہا، زندگی غالباً موت کی منزل تک پہنچنے کے ایک سفر کا نام ہے، شیخ صاحب ——— نے فانی کا یہ شعر سنایا ؎

ہر نفس عمرِ گذشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

مولانا محمد گل شیر نے فرمایا، زندگی انسان کے پاس قدرت کی طرف سے ایک امانت ہوتی ہے۔

صوفی نے کہا، زندگی انفاس کی تہمت ہے۔

شاہ جی اب تک خاموشی سے سُن رہے تھے فرمایا، زندگی جدوجہد سے عبارت ہے، اسے ہم روح کا لباس بھی کہہ سکتے ہیں، انسان اس کے معاملہ میں مجاز ہے اُجلا رکھے یا میلا کر دے ——— پھر چودھری افضل حق کی آویزاں تصویر پہ نگاہ کی اور گرامی کا یہ شعر اپنے مخصوص لحن میں پڑھا

محبت ایں چنیں، عاشق نوازی ایں چنیں باید
زدی، کشتی، شکستی، سوختی، انداختی، رفتی

اتنے میں کچھ اور دوست بھی آگئے اور باتوں کا رُخ جماعتی معاملات کی طرف پلٹ گیا۔ صوفی نے مجھ سے چودھری صاحب کے سوانح حیات لکھنے کی تاکید کی۔ یہ پریشان تاثرات اسی ارادے کی ایک کڑی ہیں ؎

شمع بجھتی ہے تو اُس میں سے دُھواں اُٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہُوا تیرے بعد

بقیہ از صـ ۲۹

ناھن رضی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ وسلم لدیننا فبایعنا ابا بکر۔

[ازالۃ الخفاء صـ ۶۵ ج ۲]

پیشوائی کیلئے اس شخص کو پسند کر لیا جس کو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کیلئے پیشوا ہونا پسند فرمایا تھا۔ چنانچہ اس کو حق سمجھ کر ہم نے ابوبکر کی بیعت کر لی۔

یہ ہے بیعت سقیفہ کی حقیقت اور اس پر حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ کی مہر تصدیق۔

(باقی آئندہ)

آخری قسط

سید عطاء المحسن بخاری

تاسیسِ احرار اور اُس کا پس منظر

اور ان سب پر حضرت سید احمد بریلوی قدس سرہ کو امیر مقرر فرمایا اور پورے ہندوستان میں حضرت مجدد صاحب اور شاہ ولی اللہ کی محنت کا ثمر سید احمد کے گرد مجتمع ہوگیا۔ سید صاحب نے صحابہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اُمتِ مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کیلئے سر دھڑ کی بازی لگانے کا فیصلہ کیا اور سب سے پہلے جس طبقۂ خبیثہ کے قلع قمع کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ وہ سکھ تھے اس فیصلہ کی وجہ واضح تھی کہ مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں، رافضیوں اور انگریزوں کی ملی بھگت سے سکھ سامنے آیا اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کو منتشر کر کے رکھ دیا تھا لہٰذا سب سے پہلے اسی دشمن سے نمٹنا از حد ضروری تھا۔ شاہ صاحب نے اُنہیں آڑے ہاتھوں لیا لیکن سرداری کے بھوکے پٹھانوں نے سکھوں سے مال کھا کر سید صاحب کی تحریکِ جہادِ اسلامی کو بالاکوٹ میں پیوندِ خاک کر دیا۔ مئی ۱۸۳۱ء کے اس خونیں حادثہ سے لیکر ۱۸۵۷ء تک کا پیریڈ انگریز کی وفاداری کے حصول کا زمانہ ہے فرنگی نے نہایت مکاری سے رافضی نوابوں، ہندو راجوں کو عہدوں جاگیروں امداد باہمی اعانت سے رام کیا، پٹھانوں کو مال دیکر سکھوں سے توڑا جب سکھ اور مسلمان دونوں طاقتیں بے جان ہوگئیں تو اس نے دونوں سے اقتدار اور اجتماعی طاقت چھین کر ۱۸۵۷ء میں ہندوستان سے مسلم راج کا خاتمہ کر دیا مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ کو پارہ پارہ کرنے کے بعد فرنگی نے مذہبی طبقاتی کشمکش کی بنیاد رکھی مسلمان جو فی الحقیقت مر چکا تھا مگر اپنی بقا کی جنگ میں کسی نہ کسی طرح مصروف تھا وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوھی کے گرد جمع ہوگیا۔ پٹھانوں میں کچھ حریت پسند پیدا ہوئے وہ بھی اپنی ارادت کا کشکول لئے اسی حلقہ میں آئے۔ ان بہادر بزرگوں نے چند ایک جنگی معرکے سر کئے لیکن بالآخر طاقت کے سامنے سپر انداز ہوگئے اور پھر سے مجدد صاحب اور شاہ ولی رحمہما اللہ کے نقش کو لائحہ عمل بنا کر مدارس کے نظام کو قائم کیا تا کہ علمی و فکری اجتماعیت پیدا کی جاسکے۔ اس میں ان بزرگوں کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور ہندوستان کو پھر سے ایک شخصیت مل گئی، مولانا محمود حسن اسیر مالٹا رحمہ اللہ میدانِ عمل میں آئے اور اُنہوں نے مسلمانوں کے لئے الگ خطۂ زمین اور مسلم حکومت کے قیام کیلئے فکرِ نو کی بنیاد رکھی۔ اس فکری جنگ میں دیوبند میں قائم ہونیوالے مدرسہ نے وہ کارنامہ سرانجام دیا جو رہتی دنیا تک اپنی مثال آپ

ہے۔ "ریشمی رومال کی تحریک" کا خوفناک تجربہ کیا گیا مگر اپنے نما بیگانوں نے اسے سبوتاژ کیا اور تحریک مرگئی، مولانا محمود حسن ۱۹۲۱ء میں انتقال کر گئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ۶۵ برس کے عرصہ میں فرنگی مذہبی طبقاتی کشمکش کو عروج پر لے جا چکا تھا مرزا غلام احمد قادیانی مہدویت سے لیکر نبوت و رسالت تک کی منزلیں طے کر چکا تھا۔ ہندوستان میں ایک مضبوط مالدار اور سرکار برطانیہ کا وفادار خطاب یافتہ طبقہ غلام احمد کو نبی مان چکا تھا۔ ہندوستان کے جاگیردار اور سرمایہ دار پہلی جنگ عظیم میں گورنمنٹ برطانیہ کو دو کروڑ روپے چندہ دیکر خود کو مزید مہربانیوں کا مستحق ثابت کر چکے تھے اور غلام احمد قادیانی ان سب کا سرخیل تھا۔ اس خاندان کی سرگرمیاں ۱۸۳۸ء سے لیکر اب تک فرنگی اور سکھوں سے وفاداری پر مشتمل تھیں اور اب مسلمانوں کو بالکل انوکھے دشمن کا سامنا تھا یہ ایسا دشمن تھا جس نے عیسائیوں سے مناظرے کر کے بے خبر مسلمانوں حتیٰ کہ بعض اہلحدیث علماء کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا اور در پردہ سیاسی وفاداریوں اور مجاہدین کی مخبری سے فرنگی حکومت سے تحفظات بھی حاصل کرتا رہا اور تبلیغ اسلام کے نام پر ٹوڈی اور ٹائوٹ مسلمان جاگیرداروں سے مال بھی حاصل کرتا رہا۔

مجلس احرار اسلام کا قیام :

مولانا محمود حسن کی وفات کے قریب پنجاب میں تحریک خلافت کی تگ و تاز میں چند پنجابی ایسے اُبھرے جنہوں نے فرنگی استعماری حربوں کا بغور جائزہ لیا اور سابقہ تحریکوں کو ناکام کرنیوالے عناصر کی پہچان بھی حاصل کی ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری افضل حق، حبیب الرحمٰن لدھیانوی، شیخ حسام الدین، مظہر علی اظہر، ماسٹر تاج الدین انصاری انتہائی اہم شخصیات ہیں۔ اللہ کی حکمت نے ان سب کو فکری وحدت میں پرو رکھا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں انہیں عملی یگانگت میں بھی مجتمع کر دیا۔ یہ سب بزرگ ۱۹۲۱ء میں جیلوں کی زندگی میں ایکدوسرے کے بہت قریب ہوئے، افہام و تفہیم کے مواقع میسر آئے۔ اور ہندوؤں، رافضیوں، انگریز کے ٹوڈیوں اور مرزائی گماشتوں پر گفتگو اور بحث و تمحیص کے نتیجہ میں انہوں نے اپنی اجتماعی جدوجہد کو الگ سے شروع کرنیکا فیصلہ کیا اور پھر شاہ ولی اللہ کی فراہم کی ہوئی بنیادوں کو ترجیح دیتے ہوئے آگے بڑھے اور دسمبر ۱۹۲۹ء میں پہلی غیر رسمی میٹنگ میں مسائل پر اجتماعی گفتگو کی اور طے پایا کہ "مجلس احرار اسلام" کے نام سے جدوجہد آزادی کی جنگ لڑی جائے۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مدرسہ نصرۃ الحق امرتسر میں پڑھتے تھے جہاں انہوں نے موقوف علیہ تک کتابیں پڑھیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا داؤد غزنوی رحمہا اللہ سے مستفید ہوئے۔ مولانا ظفر علی خان کا "ستارہ صبح" "زمیندار" اور مولانا ابو الکلام آزاد کے "الہلال" سے فکری استواری حاصل کی۔ جلیانوالہ باغ کے خونیں حادثہ اور ترکوں پر انگریزوں کے مظالم نے برانگیختہ کیا اور آپ مدرسہ و مسجد کے دائرہ سے نکل کر اجتماعی جدوجہد کی پرخار وادی میں اُتر گئے۔ مولانا حبیب الرحمان نے دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغ حاصل کی۔ مولانا محمود حسن اور اُن کی جمعیت الانصار کی باقیاتِ صالحات سے متأثر ہوئے، استفادہ کیا اور اسی خارزار جدوجہد کو اپنے لئے منتخب کیا۔ شیخ حسام الدین نے بی اے کیا اور جلیانوالہ باغ میں ظلم، جور و جفا اور قتل و غارت گری نے فرنگی استعمار کے خلاف انتقامی جذبوں کو اُبھارا۔ تحریکِ خلافت کے زعماء کرام نے ان جذبوں کی سمت درست کی اور شیخ صاحب بھی مضبوط قدم اُٹھاتے ہوئے انہی لوگوں کی حکمتِ عملی میں شریک ہو گئے۔ چودھری افضل حق نے ایف اے کیا۔ پولیس میں بھرتی ہوئے مگر صدق و کذب اور حق و باطل کی ٹھن گئی۔ برطانوی ہند میں ٹوڈیوں اور پولیس کے مشترکہ مظالم آنکھوں سے دیکھے اور اہلِ حق کی مظلومیت دیکھی نہ گئی تو جس حق پرست گروپ کو کانگریسی ہندوؤں نے "پنجابی ٹولی" کہہ کر بدنام کر رکھا تھا۔ یہ بھی اُنہیں سے آملے۔ یہ لوگ اپنے دائرہ میں اہلِ علم اور اپنے ہمعصروں میں صاحبِ تقویٰ بھی تھے۔ ان کے پاس دولتِ دنیا تو یقیناً نہ تھی مگر دولتِ دین سے مالا مال اور ایثار و قربانی کے غیر فانی جذبوں سے سرشار تھے۔ یہی وہ طاقت تھی جس نے ان سچوں اور بہادروں کو ایک سلکِ مروارید میں پرو دیا اور یہ ہندوستانی نمرودوں کی دہکائی ہوئی آگ میں بے خطر کود پڑے۔ انکی صداقتوں، وفاؤں اور صدق و صفا پر کسی کی سند کی ہرگز ضرورت ہی نہیں جو لوگ خود انگریزوں کی چوکھٹ پر سجدہ ریز رہے اور ہندوؤں سے وفا کی بھیک مانگتے رہے اور مرزائیوں کی پُشت پناہی پر کمر لیتہ رہے وہ اگر ان حق پرستوں کو بُرا کہیں تو اُنہیں حق حاصل ہے کیونکہ احرار کے ان بزرگوں نے انگریز سے وفاداری کے قلعوں پر تابڑ توڑ حملے کر کے نہ صرف اُنکی فصیلوں میں دراڑیں ڈالیں بلکہ انہیں کوچہ و بازار میں لاکھڑا کر کے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ محلاتی سازشوں کا جال کبھی نہ بن سکیں۔ سر سکندر حیات، سر فضل حسین، سر شفیع، سر فضل علی، ٹوانے، دولتانے، اور نون وغیرہ احرار کارکنوں کے سامنے بارہا مجبور ہوئے۔ احرار بزرگوں کی ساری کمائی پنجاب کی تیسری کلاس کے لوگ تھے جو جاگیرداروں، سکھوں اور ٹوڈیوں کے ستم رانیوں اور استبدادی رویوں کے پسے ہوئے تھے۔

یہ مسلمان نہ تو مسلم لیگ میں پنپ سکتے تھے اور نہ کانگریس میں کیونکہ کانگریس پر ہندو سرمایہ دار اور انگریز کے ایجنٹوں کا قبضہ و تصرف اور مسلم لیگ پر رافضی جاگیرداروں انگریزوں کے خطاب یافتہ سروں، خان بہادروں اور مرزائیوں کا تسلط تھا۔ خود محمد علی جناح بھی آغا خانی (شمسی امامی) تھے۔ جو لوگ لیگ اور کانگریس کو مذہبی نسبتوں سے ماوراء سمجھتے، لکھتے اور باور کراتے ہیں اسکو اُن کی ذاتی رائے سمجھتا ہوں مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اس مختصر مضمون میں ان تفصیلات کی گنجائش نہیں اس لئے چند شخصیتوں اور چند واقعات کا صرف ذکر کرتا ہوں۔ جنکی موجودگی میں احرار، لیگ یا کانگریس کے ساتھ ساتھ نہ چل سکے۔ ضلع جھنگ کے سادات، ملتان کے سادات، سادات بارہ، راجہ صاحب محمود آباد، مظفر علی قزلباش، سر ظفر اللہ خان ان لوگوں نے ہمیشہ اکابر احرار کو مقدمات میں جکڑا۔ جھوٹی گواہیاں دلوائیں۔ احرار کارکنوں کو ہراساں کیا علاقہ بدر کیا اور انہیں متعصب مسلمان کہہ کر ان کی بھرپور مخالفت کی اور ان کے خلاف نفرتوں کی اُونچی دیواریں تعمیر کیں۔ کانگریس کے مُشرک وڈیروں نے احرار کو انتہا پسند مسلمان کہا اور ان کی بھرپور مخالفت کی۔ جمعیت العلماء ہند کی سیاسی کہہ مکرنیاں اُن سے گریز پا کرنے پر مجبور کرتی رہیں اور اپنی منتخب راہ کے حق ہونے کا یقین بڑھاتی رہیں۔

[احرار وفادار ا یہ اقتباس چودھری افضل حق کے ایک خطبہ سے ماخوذ ہے۔ ملاحظہ ہو]

محترم جمعیت العلماء کو لو کہ وہ ابتدا میں کانگریس کی امدادی جماعت تھی۔ وہ کانگریس کے فیصلوں پر مذہبی جواز کا فتویٰ دیکر مسلمانوں میں اسے محترم بناتی تھی مگر ۱۹۲۸ء میں دل برداشتہ ہو کر کانگریس سے الگ ہوئی لیکن آسمان سے گرا کھجور پہ اٹکنے کا معاملہ ہوا۔ ایک سرمایہ داری کے نظام سے نکل کر دوسرے سرمایہ دار نظام کو مضبوط کرنے کا باعث ہوئی ایسی قابل عزت جماعت نے نہایت نیک نیتی سے اسلامی حقوق کے تحفظ کے لئے سر آغا خان اور سر محمد شفیع سے مل کر مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح ان مقدسین نے سرمایہ داری کی گلی سڑی لاشوں کو مسیحا نفسی سے زندہ کیا اور یہ مردہ بادی مردے زندہ ہو کر بربادی ملت کی بربادی کا باعث بنے ہے مسلم کانفرنس نے نہ خود کچھ کام کیا نہ کرنے دیا پھر اسی تلخ تجربہ کے بعد جمعیت کو کانگریس کی طرف رجوع کرنا

پڑا اور ۱۹۳۲ء کی سول نافرمانی میں پھر کانگریسی امدادی جماعت کے طور پر کام کرنا پڑا
مگر جلدی کانگریسی ذہن سے غیر مطمئن ہو کر پھر لیگی سرمایہ داروں کی پشت پناہی کرنا پڑی
اور مسٹر جناح کی قیادت قبول کر کے لیگ کے حق میں سخت ترین فتویٰ شائع کیا
جس کے باعث کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑے ہونیوالے مسلمانوں کو صاف شکست
ہوئی اور لیگ ایک قوت بن گئی۔ (خطبات احرار صـ ۹۳-۹۴)

اس ملکی ماحول میں احرار نے اپنے لئے ایک بہت مشکل راستہ اختیار کیا جو نہ تو کانگریس پسند کرتی تھی نہ مسلم لیگ اور نہ جمعیت علماء ہند۔

چوہدری افضل حق فرماتے ہیں:

احرار دونوں جماعتوں کے انتہا پسندوں سے دل تنگ ہیں۔ کانگریس کی ادغامِ کلی اور لیگ کی اجتناب کلی کے درمیان مجلس احرار اسلام اعتدال کی سچی اور سیدھی راہ ہے احرار وطن عزیز کی آزادی کیلئے اُن تھک سپاہی ہیں اور ساتھ ہی ایثار و قربانی کی بنا پر اقوام ہند بلکہ ساری دنیا کی سرداری کے مستحق ہیں۔ کانگریس جب آزادی کی جنگ چھیڑے۔ ہم مقدمۃ الجیش ہیں جب صلح کرے ہم باندازۂ قربانی حقوق کے طالب ہیں اسی لئے جنگِ آزادی کی شمولیت پر لیگی مسلمان احرار کو کانگریس کی ایک شاخ سمجھتا ہے۔ (خطبات احرار صـ ۲۱)

مجلس احرار اسلام کے قیام کا بنیادی سبب ان دو جماعتوں کی یہی نفرت تھی کہ یہ دونوں نفرتوں کے انتہاؤں پر تھے اور اس کے پسِ منظر میں ہندوؤں، رافضیوں، ٹوڈیوں اور مرزائیوں کی وہ ملی بھگت تھی جو احرار حریت پسندوں کو کسی طرح قبول نہ کرتی تھی اور احرار اس کے لئے کسی موقع کی تلاش میں تھے جس کیلئے نہرو رپورٹ کو راوی میں غرق کرنے کے واقعہ کو بہترین موقع سمجھا گیا اور احرار کے قیام کے لئے اجلاس بُلا لیا گیا ان موضوعات پر گفتگوئیں بہت پہلے ہو چکی تھیں۔ خصوصاً ۱۹۲۳ء میں میانوالی جیل میں رہا ہونے کے بعد اکابر احرار امرتسر، دلی اور لدھیانہ میں مل چکے تھے جس کا ذکر حضرت امیر شریعت اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے کئی مرتبہ کیا۔ جمعیت علماء کی سیاسی روش آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ پھر سب سے اہم بات یہ کہ اکابر احرار میں سے دو کے علاوہ باقی بزرگ کانگریس کے ابتدائی رکن بھی نہیں رہے چہ جائیکہ کانگریس کے ترجمان رہے ہوں۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۹ء تک اکابر احرار نے بھرپور جائزہ لیا اور

اپنی راہ عمل متعین کی۔ جس سے وسیع اختلاف کی گنجائش موجود ہے مگر ان کی نیک نیتی، اخلاص اور ایثار و قربانی کے بعد ان پر کیچڑ اُچھالنا کسی شریف آدمی کا کام نہیں ہے۔

مجلس احرار اسلام اور مسلم لیگ :

احرار اور لیگ کی آویزش اب یادِ ماضی کا درجہ رکھتی ہے لیکن "یادِ ماضی عذاب ہے یارب" اور حافظہ چھن جانے کی دعا کوئی بدنصیب ہی کرے گا میں کیوں کروں؟ میرا ماضی تو درخشندہ و تابناک ہے۔ اکابر احرار نے مسلم لیگ کے اکابر سے جو اختلاف کیا اس کا انہیں مکمل حق تھا اور لیگ والوں کو بھی ویسا ہی حق! مگر اس بات کی کسی کو اجازت نہیں کہ وہ اس اختلاف کو اسلام اور کفر کی جنگ سے تعبیر کرے یا بدزبانی اور شخصی توہین کا ارتکاب کرے۔ خصوصاً جب حضرت امیر شریعت نے لاہور موچی دروازہ کے باغ میں ایک تاریخی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ۱۹۴۹ء میں اپنی سیاسی رائے کی شکست کا اعتراف کر لیا تھا البتہ یہ بھی ساتھ ہی فرمایا "میں اب بھی اپنی رائے کو صحیح سمجھتا ہوں یہ الگ بات کہ میری رائے ہار گئی"

پھر بھی جو کچھ نسل لوگ پاکستان بن جانے کے ۴۲ برس بعد بھی گڑے مردے اکھاڑنے میں مصروف ہیں اور بکواس کو تاریخ کا نام دے رہے ہیں ان کے جواب اور نئے احرار ساتھیوں کی فکری توانائی کے لئے احرار اور لیگ کے اختلاف کی اصل تصویر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اکابر احرار فکری اعتبار سے ایک ایسی اساس کے قائل ہیں کہ انہیں جو بات اس کے خلاف یا اس سے متصادم نظر آتی تھی وہ اس سے بھڑ جاتے تھے اور اس کو ہر نوع غلط قرار دیتے تھے۔ احرار اپنے بارے میں کیا کہتے ہیں :

> "وہ باتیں جن میں دنیاوی حب و جاہ کا فقدان ہے اُن دماغوں کو اپیل نہیں کر سکتیں جو بدقسمتی سے قرآن کی حقیقتوں کے قریب نہیں۔ قرآن مجید و حدیث رسول کی حقیقتیں اور اصطلاحات و مفاہیم جب تک دل کی گہرائیوں سے نہ اُتر جائیں اور اُن پر کامل دسترس ہو اُس وقت تک دینی انقلاب کے مطالب سمجھ میں نہیں آسکتے، دینی اقتدار اور حکومت ہی کی دعوتِ احرار در اصل ابراہیمیوں کو اُن کی اپنی مرکزیت کی طرف بلانا ہے جس کی خوبصورتی یوں کی ہولناک گردشوں کے باوجود شگفتہ و رعنا ہے" (مفاہیم)

احرار ریاست کے بارے میں کہتے ہیں :

"لیگ کے اربابِ اقتدار جو میش کی آغوش میں پلے ہیں اسلام جیسے بے خوف دین اور مسلمانوں جیسے مجاہد گروہ کے سردار نہیں ہو سکتے۔ لیگ میں بجز سرمایہ کی کشش کے رکھا ہی کیا ہے۔ قربانی و ایثار سے لیگ کا جیبِ داماں بالکل تہی ہے۔ لیگ انگریزی استعمار کے امیر شکاریوں کی ٹیم ہے۔ اس سے غریب مسلمانوں کی گلو خلاصی ضروری ہے۔ لیگ کے اکابر کے قول و عمل میں اختلاف نہیں تضاد ہے۔ ہمیں ان کے قول سے اختلاف نہیں ان کے عمل سے نفرت ہے۔" (مفاہیم)

موجودہ صورتحال:

لیگ کے اکابر کی زندگی یورپین سولائزیشن میں ڈھلی ہوئی تھی جس کا عملاً اسلام سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا اور اب بھی مسلم لیگ اور پی پی پی کی یہی صورت حال ہے۔ ہماری ان کی اچھی باتوں پر جنگ نہیں مثلاً: انسانی فلاح بہبود، اقلیتوں کو اُن کی آبادی کے تناسب سے حقوق دینا، پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانا وغیرہ لیکن ہمیں تو لیگیوں اور پیپلیوں کے اعمال سے نفرت ہے۔ بات چل نکلی ہے تو دار ورسن تک پہنچے، ماضی کے تجربوں کو علماء پھر دہرا رہے ہیں لیگ بھی اپنی پرانی جگہ پر ہے اور پی پی کا رکن کانگریس کا کلچرل رُول ادا کر رہی ہے اور ہم احرار پھر تیسری اعتدال کی راہ پر گامزن ہیں۔ جاگیردار، سرمایہ دار اور رافضی، مرزائی پھر سے لیگ اور پی پی پی کو مالی سپورٹ دے رہے ہیں۔ تاریخ دھرائی جارہی ہے۔ احرار کو بھی اپنا رول ادا کرنا ہے پہلے بھی ہمارے مخالفین کی رائے غلط تھی اب بھی غلط ہے ——— فیصلہ اللہ کے ہاں ہوگا۔

******************************** بقیہ صفحہ ۶۱

بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریقہ سے ہو، حضورؐ کے طریقہ سے ہٹ کر کسی دوسرے ذریعہ سے نفاذِ اسلام کی جدوجہد خود اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ دین اپنے نفاذ کے لئے کفریہ نظاموں کے سہاروں کا محتاج نہیں۔"

آپ نے آخر میں فرمایا کہ احرار ختم نبوت سنٹر کا قیام ایک خوشخبری ہے اور ان دینی اداروں کے قیام کا مقصد انسانوں کو جوڑنا ہے توڑنا نہیں، یہی دین کا مقصد ہے ہم احرار کارکن دین والوں کو جوڑنے کی محنت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائیں اور توڑنے والوں کو ناکام فرمائیں (آمین یا رب العالمین)

تقریب کے اختتام پر دونوں بزرگوں نے احرار ختم نبوت سنٹر اور دار العلوم ختم نبوت کا سنگِ بنیاد نصب فرمایا اور حضرت مولانا خان محمد مدظلہٗ کی رقت انگیز دعاؤں سے تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جسدِ اطہر

جنت البقیع سے چوری کرنے کا خوفناک منصوبہ

ضیاء الحق نے اپنی بصیرت سے ناکام بنا دیا

ایک عالم نے خواب دیکھا جس کی

تعبیر حیرت انگیز طور پر ضیاء الحق نے اپنی بصیرت سے کی اور اپنے اقدام سے امت مسلمہ کو ایک فتنے سے بچا لیا

یوسف سعید

پچھلے دنوں محترم استاذی پروفیسر مرزا محمد منور صاحب کی معیت میں جناب اقبال سہیل صاحب سے چند ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ جناب اقبال سہیل صاحب اصلاً پاکستانی ہیں مگر برسوں سے مشرق وسطیٰ میں مقیم ہیں آپ جہاں قدیم اسلامی علوم میں درک رکھتے ہیں وہاں جدید عالمی تحاریک، علوم سے بھی واقف ہیں آپ کے سینے میں ایک ایسا دل درد مند موجود ہے جس نے دین کی خاطر اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے میری اقبال صاحب سے جتنی ملاقاتیں ہوئیں، میں نے انہیں ہمیشہ امت مسلمہ کے مسائل اور معاملات پر ہی گفتگو کرتے پایا میں ان کی محفل میں ہمیشہ امت مسلمہ کو درپیش مشکلات اور خدشات ہی کو زیر بحث دیکھا۔۔۔ اکثر امت مسلمہ کے مستقبل کے بارے میں باتیں رہیں۔۔۔۔۔ سطور ذیل میں بھی میں انکے حوالے سے ایک ایسا واقعہ قلمبند کر رہا ہوں جس کا تعلق امت مسلمہ کے مجاہد و غازی شہید جنرل ضیاء الحق سے ہے اور یہ واقعہ شہید صدر کے عاشق رسول اور خادم دین ہونے پر دال ہے۔۔۔ نیز ایک ایسا ایمان افروز واقعہ ہے جس کو سن کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں خاص طور پر صلیبی جنگوں کے ہیرو نور الدین زنگی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے میں اس واقعہ کو بزبان اقبال سہیل من وعن تحریر کر رہا ہوں۔

اقبال سہیل صاحب نے ذکر کیا کہ ۱۹۸۵ء میں عالم اسلام کے ایک عظیم مفکر اور صاحبِ طرز ادیب مراکش جاتے ہوئے مدینہ منورہ رکے اور حاضری کے دوران شدید تھکاوٹ کے باعث مسجد نبوی میں "ریاض الجنہ" میں بیٹھ گئے اور اسی غفلت کے عالم میں آنکھ لگ گئی اور انہوں نے حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپؐ اداس تھے۔۔۔ وہ عظیم مفکر و ادیب ہڑبڑا کر اٹھے اور یہ سمجھے کہ آپؐ کی خود مسجد نبوی میں حاضری کی طبعی حالت ہے۔ پھر بیٹھے اور دوبارہ آنکھ لگنے پر دوبارہ حضور سرور کائنات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور اس بار بھی آپؐ اداس تھے چنانچہ اٹھ کر انہوں نے جلدی میں وضو کیا۔ نماز نفل پڑھی اور بہت روئے ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا مدینہ میں موجود اہل علم سے رجوع کیا کوئی تعبیر پیش نہ کر سکا

امریکی اخبار "ہیرلڈ ٹریبون" اور عرب جریدے "المجلہ" میں اس واقعہ کی رپورٹ شائع ہوئی

چنانچہ انہوں نے اپنے آگے کا سفر شروع کیا رمضان المبارک کا مہینہ تھا وہاں کی علمی کانفرنس اور شہر مراکش کی علمی مجلسوں سے فارغ ہو کر انہوں نے وہاں جمع دنیا اسلام کے ممتاز اہل علم اور اہل فکر سے اس غیر معمولی واقعہ کا ذکر کیا جو بھی سنتا تھا پریشان ہو جاتا تھا آخر موصوف نے مراکش کی ایک ممتاز عالم و فاضل شخصیت سے اس کا ذکر کیا انہوں نے یہ خواب سننے کے بعد مفکر موصوف کی خدمت میں دوسرے روز فجر کی نماز کے بعد شہر ہاس کی مسجد میں ملنے کا وعدہ کیا دوسرے روز عالم اسلام کے اس جلیل مفکر نے مراکش کی ممتاز فاضل و عالم شخصیت سے مسجد میں ملاقات کی انہوں نے دوبارہ اس خواب کو سنا اور کہا کہ وہ واضح طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے البتہ انکی یہ رائے ہے کہ وہ یہ خواب ہو بہو اس طریقے سے پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو جا کر سنائیں چنانچہ مفکر و عالم جلیل نے فوری طور پر مراکش سے پاکستان کا سفر اختیار کیا جنرل محمد ضیاء الحق کو انکی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے فون پر رابطہ قائم کر کے عرض کیا کہ مفکر موصوف اسلام آباد تشریف لائیں۔ لیکن انہوں نے قانونی و سیاسی پیچیدگیوں کے پیش نظر معذرت کی جواب میں جنرل ضیاء الحق نے فرمایا کہ وہ دوپہر تک خود کراچی پہنچ جائیں گے اور دوپہر کا کھانا آپ کے ساتھ کھائیں گے اور نماز ظہر آپ کے پیچھے ادا کریں گے جنرل صاحب کراچی پہنچے کھانے کے بعد نماز ظہر ادا ہوئی۔۔۔ انہوں نے جنرل صاحب سے اپنے آنے کا مقصد اور سارا واقعہ بیان کیا اور مراکش کے عالم جلیل کا بھی ذکر کیا۔۔۔۔ اس پر جنرل صاحب بہت دیر تک روتے رہے اور خاموش ہو گئے مفکر موصوف سے بغل گیر ہوئے اور فوری طور پر اجازت طلب کر کے واپس ائیر پورٹ چلے آئے اور وہاں سے اسلام آباد چلے گئے۔ اسلام آباد پہنچ کر سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد بن عبد العزیز سے فون پر رابطہ قائم کیا اور حالات کی خرابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ پاکستان حرمین شریفین کی خدمت کے سلسلے میں بعض حفاظتی معاملات میں حصہ لینا چاہتا ہے اور اس کا پورا خرچہ پاکستان برداشت کرے گا۔۔۔ شاہ فہد نے آمادگی کا اظہار کیا چنانچہ پاکستان کے خدمت گزاروں پر مشتمل ایک تربیت یافتہ دستہ مدینہ منورہ پہنچا جو تفتیش و تحقیق کے ضمن میں جنت البقیع بھی پہنچے وہاں ایک حاجی کی نشاندہی پر ایک قبر کے قریب آنے والی آوازوں پر اور مزید تلاش و تحقیق کی۔ سعودی گورنر اور فوجی کمانڈروں سے رابطہ قائم کیا قبروں پر ایک جدید قسم کی مشین لگانے سے مزید آوازوں کا علم ہوا چنانچہ علماء مدینہ اور امام حرم مدنی کے فتووں پر جگہ کھودی

تھی تو کھودنے والا دھڑام سے اندر جا پڑا چنانچہ سارے فوجی اور تربیت یافتہ پاکستانی خدمت گزار اندر کود گئے پہلے گرنے والے کو ایک گولی لگی ــــــــ یہ ایک سرنگ (TUNNEL) تھی جس کے اندر روشنی کا بھی زبردست بندوبست تھا قصہ مختصر اس خندق میں تمام ضروری اشیا کا جدید ترین انداز سے انتظام تھا

نیز یہ خندق جنت البقیع کے پیچھے ایک بڑے ہوٹل میں جا نکلتی تھی ــ مکمل معلومات حاصل کرنے پر پتہ چلا کہ یہ ہوٹل ایک باطنی بیوہ کا ہے اور اس وقت یہاں کوئی دو ڈھائی سو کے لگ بھگ ایک مخصوص ملک کے خاص فرقے کے لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں ـــ سعودی حکومت نے یہ عمارت بم سے اڑادی اور بعد ازاں بلڈوزروں کی مدد سے زمین ہموار کردی اس طرح یہ عمارت اپنے مکینوں سمیت زمین بوس ہو گئی ـــ سعودی حکومت نے مکان کی بیوہ مالکہ کو گرفتار کرلیا اور ضروری قانونی و شرعی کارروائی کی ــ اس طرح جناب ضیاء الحق شہید کے بروقت اقدام اور عظیم خدمت کے باعث امت مسلمہ اس ذلت سے اور عذاب سے محفوظ ہو گئی

واقعہ مذکورہ کے باب میں سعودی حکومت نے ضروری تحقیق و تفتیش کے بعد ایک رپورٹ مرتب کی ـ اس رپورٹ میں اس مخصوص فرقے کے عزائم کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا ـ یہ زائرین حضرت فاطمۃ الزہرا کے جسد مبارک کو ایران کے شہر قم منتقل کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کا مقبرہ ایران میں مرجع خلائق ہو ـ نیز ان زائرین نے جنت البقیع میں موجود دیگر اصحاب رسول کی قبروں کے ساتھ خاصی توہین کا رویہ اختیار کر رکھا تھا ان زائرین کی یہ مذموم خواہش بھی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابوت مبارک تک پہنچیں اور حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ بالخصوص توہین کریں ـ الحمد اللہ ــ اس مذموم سازش کے بروقت افشا کے باعث یہ لوگ اپنے ان مکروہ عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے

جناب اقبال سہیل صاحب نے بتایا کہ شہید جنرل محمد ضیاء الحق کی اس بروقت کارروائی کے لئے خادم حرمین الشریفین نے خاص طور پر جنرل صاحب کا شکریہ ادا کیا اور جنرل صاحب سے کہا آپ نے اپنے اس عمل کے باعث امت کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ـــ اس پر جنرل ضیاء الحق شہید نے رندھی ہوئی آواز میں بس اتنا کہا کہ ـــ یہ تو بڑی بات ہے ـــ اس بندہ حقیر کی کیا مجال ـــ البتہ خداوند تعالیٰ نے اس عمل کے باعث مجھے میرے گناہوں کے کفارہ کا موقع عطا کیا ہے ـــ خیر بعد ازاں سعودی حکومت نے رسمی شکریہ ادا کرنے کے لئے باقاعدہ سعودی وزیر دفاع کی قیادت میں ۷ارکنی وفد پاکستان بھیجا

اقبال سہیل صاحب نے بتایا لندن سے شائع ہونے والے ایک معروف عربی ہفت روزہ "المجلۃ العربیہ" نے مورخہ ۱۲تا۱۹اپریل ۱۹۸۸ میں اس مخصوص ملک کے مخصوص فرقے کے عزائم کی کوشش کی کہانی مع تصاویر شائع کردی ــــ البتہ اس واقعہ کا اصل پس منظر سامنے نہ آیا ــــ آج جنرل محمد ضیاء الحق اس دنیا میں نہیں اور اس واقعہ کا پس منظر امت کی امانت ہے شہید صدر کے انکسار، شرافت اور ولی صفت طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ انکی زندگی میں اسے بیان کیا جائے لہذا اس واقعہ کا پس منظر ہمیشہ مستور رہا عاشق رسول اور خادم اسلام ہونے کے حوالے سے شہید صدر کی زندگی کا یہ ایک واقعہ جناب محترم اقبال سہیل صاحب کے توسط سے ہم تک پہنچ گیا ورنہ انکے ملاقاتیوں کے سینے تو جنرل صاحب کے عشق رسول اور جذبہ دین کے بے بہا واقعات سے منور ہیں ـ

جناب اقبال سہیل صاحب بھی اس واقعہ کو بالتفصیل بیان کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں فی الحال میں نے یہ واقعہ اجازت سے امانتاً اسی طرح تحریر کر دیا ہے جس طرح انکی زبان سے سنا تھا نیز علمائے اسلام اور جلیل القدر مفکر کے اسمائے گرامی تو خود اقبال سہیل صاحب اپنے مضمون موعودہ میں خود رقم فرمائیں گے اس واقعہ کے ضمن میں یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ شہید صدر کا یہ ایکشن ACTION عمل اتنا منضبط و منظم تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی البتہ پھر بھی اس واقعہ کی بھنک ہیرلڈ ٹریبون انٹر نیشنل herald tribune international کو ہو گئی جس نے یہ سرخی لگادی تھی کہ

pakistanis in saudi arabia

حوالہ بالا واقعہ سے ایک بات تو مکمل کر واضح ہو جاتی ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق کا دل کتنا شفاف اور صاف تھا کہ انہوں نے حضور اکرم ؐ کے اس خواب کے پیغام کو کس طرح فوراً پالیا حالانکہ یہ پیغام لفظوں میں نہیں بتایا گیا تھا نیز جس پیغام کو شرق و غرب کے مسلمان مفکر اور علماء نہ پاسکے بلکہ علماء پاکستان بھی ـــ وہ اس مرد حق نے کس طرح پالیا البتہ جنرل صاحب کے عشق رسول کے صادق جذبے کو عالم اسلام کے مسلمان کس طرح بخوبی جانتے تھے کہ مراکش کی ایک دینی شخصیت مذکورہ مفکر جلیل کو مشورہ دیتی ہے کہ یہ خواب من و عن پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو سناویں ـــــ یہ بات پاکستان اور اہل پاکستان کے لئے ایک اعزاز ہے وہاں اس بات پر بھی شاہد ہے کہ امت مسلمہ کے اہل نظر اور اہل دل اصحاب کو پوری اسلامی دنیا میں فقط ایک ضیاء الحق شہید کی ذات ایسی نظر آئی تھی جو امت کے اجتماعی مفاد میں مضبوطی، پائیداری، بیباکی، بہادری، قوت اور حسن تدبر کا مظہر تھی ـــ اور پھر کیوں نہ ہوتی ـــ شہید صدر جنرل محمد ضیاء الحق اسلام کے وہ بطل جلیل ہیں جنہوں نے نہ صرف یو ـ این ـ او کے ایوان میں پہلی بار تلاوت قرآن پاک کروائی بلکہ صلیبی جنگوں کے بعد جہاد افغانستان کی صورت میں امت مسلمہ کو ایک ایسی بڑی فتح سے ہمکنار کیا جس کو روس جیسی قوت فائقہ Super Power کی روشنی میں بے مثل کہا جاسکتا ہے ـــ یہ اعزاز اتنا ارزاں اور فراواں نہیں ہے کہ ہر کسے ناکسے کو میسر آئے تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ـــ نیز یہی باعث ہے کہ عیسائی و یہودی دنیا انہیں موجودہ دور کا صلاح الدین ایوبی سمجھتی تھی اور ان کی جان کے در پے تھی ـــ اور پھر جو کچھ ہوا وہ ہم سب کے سامنے ہے ـــ دیکھیں امت مسلمہ جنرل ضیاء الحق کی قدر و قیمت کب پہچانتی ہے ـــ اور دشمنوں کے ہاتھوں جو بے پایاں نقصان امت مسلمہ کو پہنچا ہے اس کا ازالہ کب ہوتا ہے ـــ !

بہ شکریہ: ہفت روزہ "ثالث" لاہور جلد ۲، شمارہ ۴۷
۲۳ نومبر تا ۲۹ نومبر ۱۹۸۹ء ـ !

ظہیر لمینیشن اینڈ بک بائنڈرز
کتب و رسائل کی عمدہ و معیاری بائنڈنگ اور سرورق کی خوبصورت لمینیشن کیلئے
تشریف لائیے
پرانی غلہ منڈی، مقابل منزل پریس لوہاری گیٹ ملتان

حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی مدظلہ

[1]

پاکستان میں نفاذِ شریعت اور فکرِ جدید

پاکستان میں نفاذِ شریعت کے مسئلہ پر "تجدید فقہ" کے عنوان سے ایک مستقل مکتبۂ فکر نژادِ نو میں تشکیک و ابہام پیدا کرنے میں مصروف ہے کچھ عرصہ پہلے اسی مکتب فکر کے ایک دانشور ڈاکٹر یوسف گورایہ صاحب کی کتاب

ISLAMIC JURISPRUDENCE IN THE MODERN WORLD

کے نام سے شائع ہوئی جسے دینی حلقوں میں خاص طور پر ناپسند کیا گیا اور مختلف گوشوں سے اس پر ردِ عمل کا اظہار بھی ہوا، حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی مدظلہ نے ذیل میں اسی کتاب کے حوالہ سے گفتگو فرمائی ہے۔ (ادارہ)

جو لوگ پاکستان بنانے کے محرک تھے اور اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے، انہوں نے تحریک کا یہ مقصد ظاہر کیا تھا کہ اِس خطۂ ارضی میں اِسلامی نظام قائم کیا جائے گا۔ اور قوانینِ شرعیہ کا نفاذ ہوگا۔ پاکستان بننے کے بعد قومی اسمبلی میں اس قسم کی ایک قرارداد بھی پاس ہوگئی جس کا مطلب عام طور پر یہی سمجھا گیا کہ پاکستان میں اسلامی احکام و قوانین جاری اور نافذ ہوں گے۔ اور اس طرف کچھ نہ کچھ پیش رفت بھی ہوئی۔ اس مرحلے پر ملک میں رہنے والوں کی وہ جماعت جو اسلامی احکامِ شرعیہ کا نفاذ پسند نہیں کرتی۔ سنگِ راہ بن کر سامنے آگئی۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں شیعہ ہیں جنہوں نے فوراً اپنے لئے "فقہ جعفریہ" کے نفاذ کا مسئلہ پیش کر دیا۔ اور ملک میں دو قسم کے قوانینِ عامہ نافذ کرنے کا غلط و بے جا مطالبہ کیا۔ ایک جماعت اور سامنے آئی جس میں اکثریت جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی ہے۔ اور قانون داں حضرات بھی شامل ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اِسلامی قوانین کا نفاذ تو چاہتے ہیں لیکن زمان و مکان اور ماحول کے لحاظ سے ان میں کچھ تبدیلی اور تغیر کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ پاکستان کی اکثریت، فقہ حنفی کی پیروی کرتی ہے اس

لئے اسکی خواہش یہ ہے کہ فقہ حنفی کو اصل و بنیاد کی حیثیت حاصل ہو، اور جو قوانین بنائے جائیں ان کا ماخذ فقہ حنفی ہو ——— دوسرے الفاظ میں فقہ حنفی میں جو احکام کتاب و سُنّت سے اخذ کر کے فقہاء احناف نے مُدوّن اور جمع کئے ہیں انہیں قانون کی شکل دی جائے۔ یہ مطالبہ بالکل بجا اور درست ہے۔ ملک میں فقہ حنفی کی پیروی کرنے والے اہلِ سُنّت کی تعداد کم از کم پچاسی فیصد ہے۔ جب کہ اہلِ سنت کی مجموعی تعداد پچانوے فیصد ہے۔ اہلِ سُنّت میں صرف اہلِ حدیث فقہ حنفی کے پیرو نہیں ہیں۔ اُنکی تعداد زیادہ سے زیادہ دس فیصد ہے۔ وہ فرقے جو اسلام کے مدعی ہیں لیکن اہلِ سنت انہیں مسلمان نہیں تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں سے متعدد بلکہ اکثر مسلمانوں سے اصولی و اعتقادی اختلاف رکھنے کے باوجود عملاً فقہ حنفی ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کا اُصول بھی یہی ہے کہ اسی فقہ کی پیروی کی جائے۔ مہدوی، ذکری، قادیانی (دونوں گروہ) یہ سب عملاً فقہ حنفی ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اس کا اقرار و اعلان کرتے ہیں کہ ہم فقہ حنفی کے پیرو ہیں۔ اگرچہ اعتقاداً ان میں اور اہلِ سُنّت احناف میں بہت فرق و اختلاف ہے۔ یہ اختلاف اتنا شدید ہے کہ اہلِ سُنّت انہیں مسلمان بھی نہیں سمجھتے۔ بلکہ دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اس شدید اختلاف کے باوجود جو قوانین فقہ حنفی کی بُنیاد پر وضع اور نافذ کئے جائیں گے ان کی پابندی اور ان پر عمل وہ خوشی کے ساتھ کریں گے۔

عام طور پر اہلِ سنت فقہ حنفی کے نفاذ پر متفق ہیں ان میں صرف اہلِ حدیث کا اس سے اختلاف ہے۔ اصولِ جمہوریت کا تقاضا یہ ہے کہ اس اختلاف کو نظر انداز کیا جائے اور حنفی فقہ کو پاکستان کے قوانینِ عامہ کی بُنیاد اور اس کا بنایا جائے۔ اس لئے کہ احناف کی اکثریت ہے۔ اور اس فقہ کی پیروی کرنے نیز اسے بخوشی خاطر منظور کرنے والے غالب اکثریت میں ہیں۔ اس کے ساتھ اقلیتوں کے پرسنل لا کو ان قوانین کے ماتحت نہ لایا جائے۔ ہر فرقہ اپنے پرسنل لاء پر عمل کرنے میں آزاد ہو۔ ملکی قانون عام اور سب کے لئے ایک ہی ہو۔

نفاذِ قوانینِ شرعیہ کے بارے میں یہ صورتِ حال پاکستان کو درپیش ہے جو بہت سے دانشوروں کے نزدیک نفاذِ شریعت وغیرہ میں ایک رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ قانون داں دانشوروں کی جس جماعت کا چند سطریں پہلے تذکرہ ہو چکا ہے اس نے اس مشکل کا حل دریافت کرنے کی کوشش

ا ہے ۔ ان میں سے ایک فاضل دانشور ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ صاحب ہیں ۔ جنہوں نے اس مسئلہ کو سامنے رکھ کر تجدیدِ فقہ کا ایک نہج بتانے کے مقصد پر ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے جس کا نام

ISLAMIC JURISPRUDENCE IN THE MODERN WORLD

ہے

(اسلامک جورسپروڈنس ان دی ماڈرن ورلڈ)

(دنیائے جدید میں اسلامی اصولِ قانون)

اسوقت موصوف کی اس فاضلانہ تصنیف کے متعلق چند باتیں عرض کرنا ہیں ۔ کتاب کا موضوع صرف پاکستان کو درپیش مسئلہ مذکور ہی نہیں ہے ۔ بلکہ اس سے وسیع تر ہے ۔ شریعتِ اسلامیہ کے بہت سے احکام مخصوص حالات پر مبنی ہیں ۔ اور حالات کے بدلنے سے ان میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ اب سے دو تین سو سال پہلے جو تمدنی ، سیاسی ، معاشرتی حالات تھے اب وہ یکسر بدل چکے ہیں ان کے اعتبار سے احکام میں بھی ضرور تغیر ہوا ہوگا ۔ اس زاویے سے مسائل فقہ پر نظر ڈال کر دورِ موجودہ اور حالاتِ حاضرہ کے لیئے جو احکام شرعیہ ادلہ شرعیہ سے ظاہر ہوتے ہیں ان میں معلوم کرنا چاہیئے ، اسی کا نام تجدیدِ فقہ ہے ۔ موصوف نے کتاب مذکور اسی نقطۂ نظر ، اور اسی وسیع تر زاویۂ نگاہ سے لکھی ہے اور ہمارے نزدیک اس سے اختلاف کرنیوالوں کی تعداد بہت کم ہوگی ۔ اس ضرورت تجدید فقہ کا احساس علمار اہلِ سُنت ، اور جدید تعلیم یافتہ فضلار ملت کو اب سے بہت پہلے ہوگیا تھا ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ڈاکٹر محمد اقبال صاحب مرحوم نے بھی لکھا ہے اور علمار دین نے بعض مسائل پر غور کر کے عملاً ان میں تغیر کیا ۔ یعنی ایک فرقے کا اجتہاد کر کے نئی صورتِ حال کا نیا حکم شرعی معلوم کیا اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا ۔ لیکن یہ صورت چند جزئیات تک محدود رہی پورے فقہ کا کوئی جائزہ اس نقطۂ نظر سے نہیں لیا گیا ۔

ڈاکٹر گورایہ صاحب نے اپنی کتاب مذکور میں تجدیدِ فقہ کی ضرورت واضح کی ہے ، اور اسکی یہ شکل پیش کی ہے کہ علمار اسلام کی ایک جماعت موجودہ قوانینِ مروجہ کو سامنے رکھ کر انہیں اسلامی سانچے میں ڈھالے ۔ اور احکامِ شرعیہ کو اس کے بجائے قانون کی شکل میں مدون کرے ۔ قانون سازی کے لیئے کسی مخصوص فقہی مکتب کو ماخذ نہ بنائے بلکہ حسبِ ضرورت ائمہ اربعہ نیز دیگر مجتہدین کے مسالک کو بھی اس فقہ (یا قانون) میں داخل کرے ۔ اس طرح ایک جدید فقہ تیار ہوگا ۔ جو موجودہ دور کی

ضرورت پوری کرنے کا اور متفق علیہ ہوگا۔ اس انتخاب کے سلسلہ میں موصوف کے نزدیک "فقہ جعفری" کو بھی سامنے رکھا جائے اور شیعوں کے فقہ کے مسائل اور انکی کتب فقہ میں مندرج احکام بھی حسب ضرورت اپنے فقہ کا جزو، اور اپنے قانون ملکی کا حصہ بناتے جائیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اس سے اختلاف ختم ہو جائے گا۔ اور پاکستان کا ایک متفق علیہ فقہ اور قانون وجود میں آئے گا۔

اگر میں نے سمجھنے میں غلطی نہیں کی ہے تو ڈاکٹر صاحب کی بحث کا ماحصل یہی ہے۔ اس کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ تجدید فقہ کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ضرورت اب سے پہلے بھی پیش آچکی ہے اور ممکن ہے کہ آئندہ دو چار صدیوں کے بعد پھر پیش آئے۔ شریعت ہمیشہ باقی رہے گی۔ اور نئے حوادث بھی پیش آتے رہیں گے۔ ان حوادث، اور اس ماحول کے لئے شریعت کے احکام تلاش کرکے سامنے لانا یہی تجدید فقہ ہے۔ اسوقت یہی مسئلہ درپیش ہے۔ اس مقصد سے متعدد ائمہ مجتہدین کے فقہ کو دیکھ کر حسب ضرورت اس سے مسائل و احکام اخذ کرنا بھی جائز اور مناسب ہے۔ لیکن اس سے یہ قطعاً لازم نہیں آتا کہ ہم اصولاً کسی ایک مکتب فقہ کے فقہ کو اپنے خواہش عامہ کا اصل ماخذ نہ بنائیں۔ ائمہ اربعہ کے فقہ میں کوئی فقہ ایسا نہیں ہے جو زمانہ موجودہ کے لحاظ سے یکسر ناقابل عمل ہو گیا ہو فقہ حنفی تو غالباً ان سب میں وسیع ترین فقہ ہے اور برصغیر ہندو پاک میں صدیوں بطور قانون ملکی بھی رائج و نافذ رہا ہے اس لئے اس ملک کے مزاج کو اس کے ساتھ ایک خاص مناسبت پیدا ہو گئی ہے۔ جو اسکی ترویج کی ایک اہم وجہ ترجیح ہے صحیح صورت یہ ہے کہ پاکستان کے قوانین کا اصل ماخذ اصولاً فقہ حنفی کو قرار دیا جائے بلحاظ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ اس ملک میں فقہ حنفی نافذ کیا جائے گا۔ اور اس میں جو مسائل و احکام کتاب و سنت سے اخذ کرکے بیان کئے گئے ھیں انہیں کو ملکی قانون عامہ کی شکل دی جائے گی۔ اس کے ساتھ یہ گنجائش رکھی جائے کہ جو مسائل اور احکام مصالح پر مبنی ھیں۔ اور مجتہد فیہ ہیں۔ ان میں سے کسی مسئلہ میں اگر یہ ظاہر ہو کہ کسی مانع شرعی کی وجہ سے اس وقت انکا اجراء مفید نہیں۔ اور ان سے مصلحت مقصودہ حاصل نہیں ہوتی۔ یا ان کے نفاذ سے کوئی مفسدہ شرعی، بر بنائے ظرف و حالات پیدا ہوتا ہے تو انہیں تبدیل کرنے پر غور کیا جائے۔ اور اس غرض سے دوسرے ائمہ کرام کے اقوال کی طرف نظر کی جائے اور ان میں سے کسی

قول و مسلک کو اختیار کر کے قانون کی شکل دی جائے ۔ گویا فقہ حنفی میں کسی دوسرے سُنی فقہ کی آمیزش کی جائے ۔ بشرطیکہ ضرورتِ شرعیہ اسکی داعی اور دلیلِ شرعی اسکی متقاضی ہو ۔ فقہ حنفی میں یہ دروازہ کھُلا ہوا ہے ۔ اِتنا ہی نہیں بلکہ اس پر عمل بھی ہوا ہے ۔ اسوقت دنیائے اسلام کی غالب اکثریت ائمہ اربعہ کے فقہ کی پیروی کرتی ہے ۔ اور ائمہ اربعہ کے فقہ میں اختلافات درحقیقت بہت کم ھیں ۔ مختلف فیہ مسائل میں بحث و مباحثہ کی کثرت اور فرعی اختلافات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کی وجہ سے اختلافات کی تعداد زیادہ محسوس ہوتی ہے ۔ حقیقتاً اختلاف کی خلیج اِتنی وسیع اور گہری نہیں ہے ۔ جتنی دور سے دیکھنے پر نظر آتی ہے ۔ ایک مجموعہ خواہش کو اصل قرار دے کر اس میں کسی دُوسرے مجموعہ قوانین کے خواہشس کی آمیزشس کی ایک نظر پیش کرتا ہوں ۔ جو خالصتہً اسلامی فقہ سے تعلق رکھتی ہے ۔ اور تاریخ نہیں بلکہ مشاھدہ ہے ۔ سعودی عرب کی مثال ہمارے سامنے ہے ۔ سعودی عرب کی حکومت صحیح معنیٰ میں اسلامی حکومت ہے اور وہاں کا نظام ایسے حقیقی معنیٰ میں اسلامی نظام ہے ۔ دنیا میں وہی ملک ایسا ہے جہاں اسلامی نظام قائم ہے اور شریعتِ اسلامیہ نافذ ہے ۔ وہاں فقہ حنبلی کو اصل قانون قرار دیا گیا ہے ۔ اور اسی کے مسائل کو قانون کی شکل دی گئی ہے لیکن متعدد قوانین ایسے ھیں جن میں فقہ حنبلی کے بجائے کسی دُوسرے فقہ مثلاً فقہ حنفی ، یا مالکی سے کام لیا گیا ہے ۔ اور جہاں بھی فقہ حنبلی تنگ ہوتا ہے وہاں وہ کسی دوسرے فقہ سے اخذ و اقتباس میں کوئی تکلّف نہیں کرتے ۔ باوجود اس کے اصل قانون مروج فقہ حنبلی ہی ہے ۔ مثلاً سعودی عرب کے مسلمانوں ، اور خود حکومت سعودیہ کا جو اربوں روپیہ امریکہ و یورپ کے بینکوں میں ہے اس کا سُود بھی ملتا ہے ۔ حکومتِ عربیہ سعودیہ اور وہاں کے عوام یہ سود نہیں لیتے تھے ۔ بلکہ اس رقم کو مسیحی اور یہودی انجمنوں کو دیدیتے تھے ۔ جو انھیں ایسے کاموں میں صرف کرتے تھے جو مسلمانوں کے لئے مضرت رساں ھیں ۔ اس مسئلہ پر غور کر کے علماء سعودی عرب نے یہ فتویٰ دیا کہ اس رقم کو ان بینکوں کو ضرور لے لینا چاہیئے ۔ مگر اسے اپنے فائدے کے صرف کرنا جائز نہیں ۔ لیکن بغیر نیّت ثواب دُوسرے مسلمانوں کو دے دینا اور اس سے انکی اعانت کرنا جائز ہے ۔ اور ان کے لئے بھی اس رقم سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے ۔ کیونکہ تبدل ملک سے تبدل عین ہو جاتا ہے ۔ وہ ان لوگوں کے لئے ربٰو نہیں رہا ۔ فتویٰ از رُوئے اصولِ شریعت اور عقل و حکمت بالکل صحیح اور مناسب ہے ۔ اور علماء احناف نے ہندوستان میں یہی فتویٰ دیا تھا ۔ جس پر برابر عمل ہو رہا ہے ۔ سعودی عرب

میں بھی اب اسی پر عمل درآمد ہے ۔ مگر یہ فتویٰ حنبلی فقہ کے اصول پر نہیں ہے ۔ حنبلی مسلک میں اسکی گنجائش نہیں نکلتی ۔ یہ حنفی فقہ پر مبنی ہے ۔ علماء حنابلہ نے جب دیکھا کہ رقم مذکور کو جمع و ترتیب سے ایک بڑا مفسدہ لازم آتا ہے جو شرعاً بھی مفسدہ شمار کیا جاتا ہے تو انہوں نے غور کرکے فقہ حنفی سے استفادہ کیا اور اسکی بناء پر فتویٰ دیا ۔ سعودی عرب کے قوانین کا مطالعہ کیا جائے تو اس قسم کی مثالیں اور بھی ملیں گی ۔ مگر باوجود اس کے اصولاً ان کے قوانین کا سرمایہ ، فقہ حنبلی ہی ہے ۔ اور اصلاً وہی ان کے یہاں نافذ و رائج ہے ۔

ہم بھی یہی کر سکتے ہیں اور ہمیں یہی کرنا چاہیئے ۔ اور فقہ حنفی کو اصل قانون اور اس کا مایۂ خمیر قرار دیں اور ضرورت کی صورت میں ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کے فقہ سے حسب ضرورت اخذ و استفادہ کرکے خاندان کا جزو بنائیں ۔ بلکہ اس دائرے کو اور وسیع کیا جا سکتا ہے ۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ دُوسرے ائمہ اہلِ سنت کے فقہ سے بھی استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ مثلاً امام اوزاعی ، امام لیث رحمہ اللہ بشرطیکہ ان کا فقہ ہم تک ، قابلِ اعتماد و اطمینان طریقے اور ذریعے سے پہنچا ہو ۔ ائمہ اربعہ کا فقہ بحیثیت مجموعی تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے ۔ ان حضرات کے زمانہ سے لے کر آج تک ان حضرات کے فقہ کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ دنیا کے اکثر حصّوں میں جاری ہے ۔ خود ان حضرات کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی پھر تلامذہ کے تلامذہ ان سے بھی زیادہ ہوئے ۔ یہ تواتر علمی ہے ۔ عملی تواتر تو اس سے بھی زیادہ واضح ہے ۔ ان کے فقہ کی پیروی کرنے والوں کی تعداد ہزاروں ہے تو کسی زمانہ میں کم نہیں ہوئی اور اب تو کروڑوں تک پہنچ چکی ہے ۔ صحیح اصول تو یہی ہے کہ اسی فقہ کو قابلِ استفادہ سمجھا جائے جو نقلِ متواتر سے ہم تک پہنچا ہو تاہم اسکی بھی گنجائش ہے کہ فقہ مستفیض سے بھی بوقت ضرورت استفادہ کیا جائے ۔ اس سے نیچے کوئی درجہ نہیں ہے ۔ جو فقہ کسی مجتہد یا متعدد مجتہدین کے صرف بطریق احاد منقول ہو اور ہم تک صرف ایک روایت اور خبرِ احد کی صورت میں پہنچا ہو اسے اپنے قانون کا ماخذ بنانا جائز نہیں ۔ کیونکہ اس امر کا یقین و اطمینان نہیں حاصل ہو سکتا کہ یہ اس مجتہد سے ثابت ہے جسکی طرف اسکی نسبت کی جا رہی ہے ۔ متبوعین اور ائمہ مجتہدین کے بعض مخالفین نے بہت سے ایسے مسائل ان حضرات کی طرف منسوب کیئے ہیں جو انکا مسلک نہیں ہیں ۔ چونکہ ان پر عمل نہیں ہوا ۔ نیز ان حضرات سے جو مسائل قولی و عملی تواتر کے ساتھ منقول ہیں وہ اس قسم کے مسائل کو غلط قرار دیتے ہیں ۔ اس لیئے

انکے متبعین قریب سے محفوظ رہے ۔ مگر جو فقہ صرف اخبارِ احاد کی صورت میں منقول ہو اس پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے ــــــــ ؟ ممکن ہے کہ وہ کسی متبدع یا انکے کسی مخالف نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہو ۔ اس پر عمل نہ ہونا بھی اس کے ثبوت میں شک پیدا کرتا ہے ۔ بالفرض کوئی ایسی صورتِ حال درپیش ہو جائے کہ کسی معروف فقہ میں کسی مسئلہ کا حکم نہ ملتا ہو ، تو کسی غیر معروف فقہ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے براہ راست کتاب وسُنّت کی طرف رجوع کرنا مناسب ہوگا ۔

کارکنانِ احرار متوجہ ہوں

آپ کے علم میں ہے کہ مجلس احرارِ اسلام کے مرکزی اور مقامی انتخابات کی مدت پوری ہو رہی ہے اس لئے نئے انتخابات کے لئے درج ذیل امور پر فوری توجہ فرمائیں ۔

۱ : علاقائی ممبر سازی مہم تیز تر کر کے جماعت کی افرادی قوت میں اضافہ فرمائیں ، سابقہ معاونین وارکین کی تجدید کریں ، نئے دوستوں کو جماعت میں شمولیت کی دعوت دیں ، گفتگو لٹریچر اور دیگر ذرائع سے زیادہ سے زیادہ احباب کو جماعت کے منشور اور نصب العین پر قائل کریں ۔

۲ : فارم رکنیت و معاونت مرکز سے فوراً طلب فرمائیں ۔

۳ : ماتحت شاخوں کے انتخابات جلد مکمل کر کے نئے عہدیداروں اور اراکین شوریٰ کے نام مرکز کو ارسال فرمائیں ۔

۴ : مزید تفصیلات مرکزی سرکلر کے ذریعہ آپ کو ارسال کی جارہی ہیں ۔ والسلام

رابطہ : خیر اندیش

دارِ بنی ہاشم ۔ مہربان کالونی ، ملتان — ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاری

فون نمبر : ۷۲۸۱۳ — قائم مقام صدر عالمی مجلس احرارِ اسلام (پاکستان)

قارئین ! خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں : ناظم

اطاعتِ رسول کی ایک جھلک

شاہ بلیغ الدین

دو چوزے ذبح کیے گئے۔ اُن کا خون پرنالے میں گرا۔ بالاخانے سے پرنالہ نیچے لگا۔ بہنے والی تھی۔ وہ اللہ ——— سے کوئی راہرو گزر رہا تھا۔ جمعہ کا دن تھا۔ اذان ہونے کا بندہ مسجدِ نبوی کی طرف تیز تیز قدم اٹھائے جا رہا تھا کہ سر پہ پرنالے سے خون گرا اور صاف کپڑے نماز پڑھنے کے قابل نہ رہے۔ نہا دھو کر نماز کے لئے جانے والے کے دل پہ جو گزری ہر سمجھدار آدمی اس کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

بڑے بڑے شہروں اور بالخصوص بندرگاہوں پر کثرت سے فلیٹ بنائے جاتے ہیں۔ فلیٹوں میں بہنے والے اگر راستہ چلنے والوں کا خیال نہ کریں تو اُن کے لئے بڑی زحمت کا سبب بنتے ہیں۔ اگر نیچے دکانیں ——— ہوں اور سڑک ہو تو عورتوں اور بچوں کو ہمیشہ کوئی چیز پھینکنے میں احتیاط کرنی چاہیئے۔ بعض لوگ سگریٹ پی کر بے تکلفی سے جلتا سگریٹ پھینک دیتے ہیں۔ اس کے نتائج خطرناک بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ حرکتیں اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ اللہ کے رسول کا ارشاد ہے کہ ——— راستے کا حق یہ ہے کہ اسے کھلا چھوڑا جائے اور صاف رکھا جائے۔ اس پر گڑھے کھودنا، گندگی پھینکنا، پیشاب کرنا، راستہ گھیر کر بیٹھ جانا یا جلسوں جلوسوں کیلئے شامیانے ڈال کر راستہ روک دینا اللہ کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ کوئی مذہبی کام ایسا نہیں جس سے خلقِ خدا کو ایذا پہنچے۔ مذہب ایسا کوئی حکم نہیں دیتا جس سے لوگ بے آرام ہوں۔

پرنالے سے خون اور پانی گرا کر کپڑے خراب ہوئے تو وہ اللہ کے نیک بندے لوٹے اور کپڑے بدل کر دوبارہ دوڑے دوڑے مسجدِ نبوی میں آئے خطبہ دیا نماز پڑھائی اور اللہ کی بندگی سے فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ ——— اس پرنالے کا رخ بدل دیا جائے (خلیفۂ وقت کا حکم تھا)۔ تھوڑی دیر میں اسکی تعمیل کرائی گئی۔ اتنی بڑی شخصیت کو جو زحمت ہوئی تھی وہ بات دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہوا۔

طبقاتِ ابنِ سعد اور مسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ پرنالے کا رُخ بدل دیئے جانے کے بعد مالکِ مکان مسجدِ نبوی پہنچے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے۔ جب مسجدِ نبوی ہی ایوانِ حکومت کا کام دیتی تھی۔ مالک مکان اور امیرالمؤمنین میں تھوڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ پھر دونوں مسجدِ نبوی

سے نکلے۔ پاس ہی مکان تھا۔ پرنالے کے نیچے کھڑے ہو کر امیر المومنین نے مالک مکان سے کہا کہ ـــــ آپ میرے کندھوں پہ کھڑے ہو کر اس پرنالے کو پھر اُسی رُخ پہ کر دیں۔ کچھ اور روائتوں میں ہے انہوں نے کہا کہ ـــــ میں نے نمازیوں کے لئے اس کا رُخ بدلوایا تھا جو کچھ میرے ساتھ پیش آیا اس کی بنا پر نہیں! مجھے افسوس ہے کہ مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ پرنالے کو اُس رُخ پہ اللہ کے رسول نے لگایا تھا۔ جب مالکِ مکان نے یہ پرنالہ پھر اسی رُخ پر کر دیا تو خلیفۂ وقت کے کندھوں پر سے اُترے اور بولے ـــــ امیر المؤمنین! اللہ آپ کو خوش رکھے! آپ کی وجہ سے مجھے انصاف مل گیا۔ میرا دل کہتا ہے یہ مکان اب میں آپ کے حوالے کر دوں کہ آپ اسے مسجدِ نبوی میں شامل کر دیں۔

یہ اللہ کے نیک بندے امیر المؤمنین عمر بن خطاب اور سیدنا عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔

ـــــ قارئین نقیب ختمِ نبوّت کو مبارکباد ـــــ

آپ کیلئے یہ خبر انتہائی خوشی کا باعث ہے کہ ماھنامہ "نقیب ختمِ نبوت" کو باقاعدہ ڈیکلریشن مل گیا ہے۔ اس سے قبل دو سال تک ہم آپ کی خدمت میں "نقیب" کتابی صورت میں ماھانہ سیریز کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں۔

قارئین کرام! بلاشبہ آپ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ آپ نے عرصہ دو سال تک ادارہ سے تعاون کی لازوال مثال قائم کی ہے۔

اس مرتبہ ڈیکلریشن کے ساتھ پہلا شمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اور ہم نئے سال سے پہلی جلد کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس لئے جلد ۱ شمارہ ۱ تحریر کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ

از: مولانا محمد عبدالحق چوہان

"علی اکبر" سبائی تبرائی کی کتاب "شیخ سقیفہ" غلاظت کی پوٹ ہے

(قسط ۲)

صدر مملکت جناب محمد ضیاء الحق مرحوم کے سانحہ ارتحال کے وقت سرکاری طور پر ان کی شہادت کا اعلان نئے صدر اسحق کے تعین کے بعد کیا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے یوم انصار مدینہ نے انتخاب خلیفہ کیلئے سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک اجتماع منعقد کیا کیونکہ ان کا گمان تھا کہ خلافہ کا حق انہی کو حاصل ہے اس لئے کہ انہوں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور آپ کے ساتھ مل کر اعداء اللہ سے جہاد کیا۔

صدیق اکبرؓ کو جب اس اجتماع کی اطلاع ملی تو آپ بغیر ایک لمحہ توقف کے حضرۃ عمر اور امین الامۃ حضرۃ ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہما کی معیت میں وہاں پہنچ گئے۔ یہ خبر سنکر اگر صدیق اکبرؓ خاموش رہتے اور اس طرف التفات نہ کرتے تو قریب تھا کہ جمعیۃ و وحدۃ اسلامیہ پارہ پارہ ہو جاتی اور مرکزِ اسلامی انتشار و افتراق کے مہیب اور وحشت ناک بادلوں کی لپیٹ میں آجاتا مگر خدائے قادر و حکیم مطلق کا غلبۂ اسلام اور کلمۃ اللہ ہی العلیا کی حفاظت کے متعلق وعدہ تھا۔ اسلئے اس نے صدیق اکبر کے قلب کو انبیاء علیہم السلام والی ہمت۔ استقامۃ اور استقلال کی بے نظیر قوت اور لازوال نعمت سے بھر دیا اور آنکھ فراستِ ایمانی اور مرتبہ "صدیقیۃ" کی قوۃ عمل کی تاثیر نے ذہن میں پیش آمدہ خطرات و تفکرات کے پہاڑوں کو فضا میں تحلیل کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور آپ کے تزکیہ نفوس کی تاثیر بھی تھی کہ دین اور امت کی زندگی کے سب سے اہم دستوری و انتظامی معاملہ کا ایک ہی لمحہ میں باوقار اور موجب اطمینان فیصلہ ہو گیا انصار نے حق خلافۃ جب مہاجرین کیلئے تسلیم کر لیا تو حضرہ عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کن خطاب پر انصار ہی نے بیعت کی اور سبقۃ حاصل کی۔

یا معشر الانصار یا معشر المسلمین ان اولی الناس بأمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	اے انصار! اے مسلمانوں کی جماعت! رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے مقصدِ زندگی کی تکمیل کیلئے آپ کی خلافہ کا سب سے زیادہ مستحق

من بعده ثانی اثنین اذ هما فی الغار ابوبکر السباق المبین۔ ثم اخذت بیده وبادرنی رجل من الانصار فضرب علی یده ثم ضربت علی یده وتتابع الناس۔

[ازالۃ الخفاء صد۲۶ ج ۲]

شخص ابوبکر ہے جو "ثانی اثنین اذ ہما فی الغار" کے مرتبہ رفیعہ پر فائز ہے اور ہر نیکی میں علانیہ سب سے بہت آگے ہے۔ اس کے بعد میں نے ابوبکر کے ہاتھ کو بیعت کرنے کے لئے پکڑا۔ لیکن مجھ سے پہلے ایک انصاری نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں سبقت حاصل کر لی۔ اس کے بعد میں نے بیعت کی اور پھر بقیہ تمام لوگوں نے لگاتار بیعت کرنی شروع کر دی۔

یہ بیعت جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اُسی روز دو شنبہ [پیر] کی شام کو ہوئی بیعتِ سقیفہ کے دوسرے روز سہ شنبہ [منگل] کو عامۃ الناس تمام اصحاب کبار اور مہاجرین و انصار مسجدِ نبوی میں جمع ہوئے اور بیعتِ سقیفہ کی توثیق کی اور اُسی روز ۳۳ ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی بیعت کی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی یوم بیعت کی۔ آپکی یہ بیعت نہ جبراً تھی نہ ہی تقیہً بلکہ پوری رضا و رغبت کے ساتھ تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعتِ سقیفہ پر دھاندلی اور غیر شرعی ہونیکا اعتراض نہیں کیا۔ بیعتِ سقیفہ کے متعلق انکو جو اختلاف تھا انہوں نے برملا اظہار کیا اور ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے مستحق ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

ما غضبنا الا انا قد اخرنا عن المشاورۃ وانا نری ابابکر احق الناس بها بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لصاحب الغار وثانی اثنین وانا لنعلم بشرفه وکبره ولقد امره رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہم حضرت ابوبکر کی خلافت پر ہرگز ناراض نہیں ہمیں صرف اس بات کا رنج ہے کہ خلافت کے مشورہ میں ہم کو شریک نہیں کیا گیا۔ باقی اس بات کا ہمیں قطعی یقین حاصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی خلافت کا سب سے زیادہ استحقاق ابوبکر کو حاصل ہے کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبِ غار اور ثانی اثنین کے مرتبۂ رفیعہ پر

بالصلوٰۃ وھو حی -
[ازالۃ الخفاء ص۲۶ ج ۲]

فائز ھیں اور ھمیں اُنکی بزرگی اور عظمتِ مرتبہ پر کامل یقین ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں ان کو لوگوں کی نماز کا امام مقرر کر دیا تھا۔

اس پر حضرۃ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

" وہ وقت ایسا تھا کہ اس فیصلہ میں ذرہ تاخیر کی جاتی تو اختلاف رونما ہونے اور اسکے بڑھ جانے کا خطرہ تھا۔ اس لئے میں نے اس امرِ عظیم کا بوجھ اُٹھا لیا۔ ورنہ مجھے اس امرِ خلافت کے حصول کی کبھی نہ تمنیٰ ہوئی ہے اور نہ ہی اب اس کے حصول پر راحت ومسرّۃ اور نہ ہی مجھ میں اس بارِ گراں کے تحمل کی طاقت ہے۔ اِلّا یہ کہ خدائے ذوالجلال کی تائید میرے شاملِ حال ہو۔"

اگر سقیفہ بنی ساعدہ والی بیعت میں کسی قسم کی دھاندلی ہوئی ہوتی یا غیر شرعی امور کا ارتکاب ہوا ہوتا تو حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کی جراۃ ایمانی اور جذبہ حق گوئی سے یہ امر بعید ہے کہ آپ اس کا اظہار نہ کرتے۔ حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کی خاموشی اور کسی قسم کا اعتراض نہ کرنا اور مسجد نبوی میں مجمع عام کی موجودگی میں حضرۃ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا عملاً بیعتِ سقیفہ کی توثیق ہے۔ بلکہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ نے صراحۃً فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض الموت کے اندر حضرۃ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ فرمانا کہ "مروا ابا بکر یصل بالناس" ان کی خلافت کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے :

قال علی رضی اللہ عنہ
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مرض لیالی وایاماً ینادی
بالصلوٰۃ فیقول مُروا ابا بکر
یصل بالناس فلما قبض رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظرت
فاذا الصلوٰۃ علم الاسلام
وقوام الدین فرضینا لدنیا

حضرۃ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی شب و روز بیمار رہے ان دنوں میں جب نماز کیلئے اذان ہوتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ابوبکر کو حکم پہنچا دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاۃ ہوگئی تو میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ نماز اسلام کا جھنڈا اور دین کا مدار رکن ہے۔ لھذا ھم نے اپنی دنیا کی امامۃ اور

باقی ص۸ پر

حکیم محمود احمد ظفر، سیالکوٹ

سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما

ایک مظلوم ترین شخصیت (قسط سوئم)

ایک اور روایت میں ہے کہ سبائی سیدنا علی رضؓ اور سیدنا محمد بن مسلمہ رضؓ کو امیر المومنین رضؓ کے پاس لے گئے اور دونوں حضرات کی موجودگی میں سبائیوں نے اس خط کا افسانہ امیر المومنین رضؓ کو سنایا اور اصرار کیا کہ یہ خط واقعی آپ نے لکھا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

واللہ! ما کتبت ولا امرت ولا شورت ولا علمت

بخدا! نہ تو میں نے یہ خط لکھا نہ لکھنے کا حکم دیا، نہ میرے مشورے سے لکھا گیا اور نہ مجھے اس کا علم ہے ——— (طبری جلد ۳ صفحہ ۴)

سیدنا علی رضؓ کی روایت اور دوسری کئی اور روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سبائی مختلف صحابہ کی طرف سے اپنے مؤقف کی تائید میں جعلی خط بناتے تھے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے صحابہ کرام رضؓ کی طرف سے لکھے ہوئے یہ خط ان کو دکھاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ:

وزورت کتب علی لسان الصحابۃ الذین بالمدینۃ وعلی لسان علی وطلحۃ والزبیر یدعون الناس الی قتال عثمان ونصر الدین وانہ اکبر الجہاد الیوم

مصر، کوفہ اور بصرہ کے سبائیوں نے آپس میں خط و کتابت کی اور مدینہ منورہ میں مقیم صحابہ کرام رضؓ اور سیدنا علی رضؓ، سیدنا طلحہ رضؓ اور سیدنا زبیر رضؓ کی طرف سے جھوٹے اور جعلی خط لکھے گئے جن میں لوگوں کو سیدنا عثمان رضؓ سے جنگ و قتال کرنے کی دعوت دی گئی اور انہیں کہا گیا تھا کہ آج عثمان رضؓ سے جنگ کرنا دین کی بہت بڑی خدمت اور جہادِ اکبر ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۱۷۲)

ایک اور روایت کے بارے میں امام اعمش رحؒ فرماتے ہیں

وفی ھذا و امثالہ دلالۃ ظاھرۃ علی ان ھؤلاء الخوارج قبحھم اللہ زوروا کتباً علی لسان الصحابۃ الی الآفاق یحرضونھم علی قتال عثمان

یہ روایت اور اس قسم کی دُوسری روایات اس بات پر صاف طور پر دلالت کرتی ہیں کہ ان باغیوں نے خدا اُن کا ستیاناس کرے ـــــ صحابہ کرام رضی کی طرف سے جعلی خطوط ملک کے مختلف حصّوں میں لکھ کر بھیجے جن میں لوگوں کو امیر المومنین سیّدنا عثمان رضی کے خلاف جنگ و قتال کے لئے مشتعل کیا گیا تھا۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ صفحہ ۱۹۵)

علامہ ابن کثیر ایک اور مقام پر اس خط کے جعلی ہونے کے بارہ میں لکھتے ہیں:

ھذا کذب علی الصحابۃ انما کتبت مزورۃ علیھم کما کتبوا من جھۃ علی وطلحۃ والزبیر الی الخوارج کتباً مزورۃ علیھم انکروھا .... وھکذا زور ھذا الکتاب علی عثمان ایضاً فانہ لم یأمر بہ ولم یعلم بہ ایضاً: ـــــــــــ

یہ صحابہ پر ایک بہتان ہے اور یہ خط اُنکی طرف جعلی منسوب کیا گیا جس طرح اُن سبائیوں نے سیّدنا علی رضی، سیّدنا طلحہ رضی اور سیّدنا زبیر رضی کی طرف سے جعلی خط باغیوں کو لکھے جن کا اُنہوں نے انکار کیا...... اسی طرح یہ خط بھی سیّدنا عثمان رضی کی طرف جعلی منسوب کیا گیا حالانکہ نہ آپ نے اس خط کے لکھنے کا حکم دیا تھا اور نہ ہی آپ کو اس کا علم تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۱۷۵)

سیّدنا عثمان رضی نے جب اِس خط کا انکار فرمایا اور حلفاً یہ کہا کہ میں نے یہ خط نہیں لکھا اور نہ اس کے لکھنے کا حُکم دیا ہے تو پھر سبائیوں کا سارا نزلہ سیّدنا مروان رضی پر گرا کہ اگر آپ نے نہیں لکھا تو پھر اُنہوں نے لکھا ہوگا۔ لھذا انکو ہمارے حوالے کیا جائے۔ سیّدنا مروان رضی نے بھی حلفاً کہا کہ میں نے یہ خط نہیں لکھا۔ باغیوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ لیکن وہ تو ایک سازش کے تحت آئے تھے اور اُن کا مقصد سیّدنا عثمان رضی کو قتل کرنا تھا۔ چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

وحلف عثمان علی ذالک فقالوا ھکذا من مروان فانہ کاتبک ـــــ محلف مروان ـــــ

"اور سیّدنا عثمان رضی نے حلفاً کہا کہ میں نے یہ خط نہیں لکھا۔ اب انہوں نے مروان رضی کے ذمہ یہ

بات لگادی کہ وہ آپ سے ہاں ہیں لہٰذا انہوں نے لکھا ہوگا۔ پس مروان رضؓ نے بھی حلفاً انکی تردید کی۔ اس حلف کو انہوں نے درخور اعتنا نہ سمجھا اور :

محاصروہ بدارہ ..... وقتلوہ وانفتح باب الفتنۃ۔

پس انہوں نے انکے گھر کا محاصرہ کرلیا...... اور اُن کو شہید کرکے فتنہ کا دروازہ کھول دیا۔

(مقدمہ ابن خلدون ص۲۱۵-۲۱۶)

خلاصہ یہ کہ سیّدنا مروان نے نہ تو کوئی خط لکھا تھا اور نہ اس خط کے ساتھ آپؓ کا کوئی تعلق تھا جو سبائی اور مفسدین دکھاتے پھر رہے تھے بلکہ وہ ایک سازش تھی جو نہ صرف سیّدنا عثمان رضؓ کے خلاف تھی بلکہ پورے دینِ اسلام کے خلاف تھی۔ سیّدنا مروانؓ کو بھی اس سازش کا ہدف بنایا گیا اور آج تک بنایا جارہا ہے آپ کے خلاف اور بھی بہت سی غلط روایتیں نقل کی جاتی ہیں، لیکن محققین کے نزدیک وہ روایات پایۂ ثقاہت سے گری ہوئی ہیں، چنانچہ علامہ ابنِ حجر مکیؒ نے اہل بیت نبوی کو ایذا دینے، سیّدنا علیؓ کو ہر جمعہ منبرِ مدینہ پر کھڑے ہوکر سب وشتم کرنے اور سیّدنا حسن رضؓ اور سیّدنا حسین رضؓ کی اہانت کی روایات کے بارہ میں صاف اور صریح الفاظ میں لکھا ہے : ———————

لم یصح عنہ شئ من ذالک کما ستعلمہ مما سأذکرہ ان کل ما فیہ نحو ذالک فی سندہ علۃ ولھذا روی لہ البخاری وغیرہ ولو یخرجہ المحدثون ولو صح عنہ شئ من ذالک لنقلہ والحفاظ وتکلموا علیہ ——

ان میں سے کوئی شئی بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ تمہیں پتہ چلے گا اور جن روایات میں ایسی باتیں مرقوم ہیں انکی سند معلول ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں انکی روایات کو نقل کیا ہے اور نہ محدثین نے ایسی روایات کی تخریج کی ہے۔ اگر یہ روایات صحیح ہوتیں تو حفاظ حدیث انکو نقل کرتے اور ان پر کلام کرتے۔ (تطہیر الجنان ص۲۶)

(باقی آئندہ)

نقد و نظر
مولانا محمد عبدالحئی چوہان

اظہارِ حقیقت

[۳]

اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ رفیق نے جا کر حضرت معاویہؓ کو یزید کے اس عشق کی کہانی گوش گزار کی انہوں نے اسی وقت حکم صادر کیا کہ یزید کو ہمارے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ آپ کے حکم پر اسی وقت تعمیل کی گئی اور اور یزید کو ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ یزید کے پیش ہونے کے بعد باپ اور بیٹے کے درمیان یہ مکالمہ ہوتا ہے

"بیٹا یزید! بیٹھ جاؤ رفیق سے ہمیں معلوم ہوا کہ تم ہماری بے اعتنائی کے شاکی ہو ہم نے کب تم سے تغافل کیا۔ ہماری جانفشانی کو تم نے یک لخت بھلا دیا۔ تمہاری یہ شکایت ناشکری اور احسان فراموشی کا ثبوت ہے"۔

حضرۃ معاویہؓ کی طرف نسبت کردہ ان کلمات کے اندازِ بیان سے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ افسانہ نویس اس کلام کے بین السطور میں کن مسموم نظریات کی طرف اشارہ کر کے رسول اللہؐ کے ایک جلیل القدر صحابی کے تقویٰ، نزاہت دامن اور ان کے تدبّر و سیاست کی شفقت پدری کے بارے میں کس طرح یکسر نفی کرنا چاہتا ہے۔

یزید گھبرا کر بولا" امیر المومنین میں نے جو کچھ کہا وہ نافرمانی کی بنا پر نہیں تھا۔ نہ میں احسان فراموش ہوں۔ کیا کروں۔

میرا دل میرے قبضے میں نہیں ہے جو کچھ کہتا ہوں وہ میرے دل کی زبان ہے۔

اور ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ تم کسی سے محبت کرتے ہو۔ آخر وہ فتنۂ روزگار کون ہے؟

جی جی اس کا نام ارینب بنت اسحٰق ہے۔

حضرۃ معاویہؓ نام سنتے ہی اچھل پڑے ارینب؟ وہ تو عبداللہؓ بن سلام کی منکوحہ ہے اس سے تمہیں محبت کس بنا پر ہو گئی"۔

افسانہ نویس یہ کہنا چاہتا ہے کہ حضرۃ معاویہؓ کے جذبات بھی حسن و جمال کے تجسس و تتبع میں یزید سے کم نہیں تھے۔ بلکہ انکی معلومات اس سے بھی زیادہ تھیں اس کے بعد حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمل مخادعت اور انکی حیلہ سازیوں کا بیان ہے۔ جن کے ذریعہ انہوں نے یہ کوشش کی کہ کسی طریقہ سے بھی ارینب عبداللہؓ بن سلامؓ

کی قیدِ نکاح سے آزاد ہوجائے تاکہ یزید کی مرادِ وصل حاصل کی جاسکے۔ ان حیلہ سازیوں پر عملی اقدام سے قبل انہوں نے لطورِ عاقبت اندیشی ــــ اپنے جگر گوشہ کو یہ حکم دیا کہ :

اب ہم تم سے ایک بات کے خواہشمند ھیں ــــــــ وہ یہ کہ تم اپنی محبت کو دل میں چھپائے رکھو اب کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے اور ہمیں اتنی مہلت دو کہ ہم کوئی وسیلہ ڈھونڈ نکالیں اور تمہیں ارنیب سے ملا دیں ۔

اس کے بعد تحریر ہے کہ :

نہایت غور و فکر کے بعد امیر معاویہ کو ایک بات دور کی سوجھی اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے فوراً عبداللہ بن سلام کو اس مضمون کا خط روانہ کر دیا ۔

منجانب امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان بہ جانب والیٔ عراق عبداللہ بن سلام تمہیں اور تمہارے یہاں کے جملہ مسلمان و صحابۂ رسول کو سلام کے بعد واضح ھو کہ ھماری اس تحریر کو ملاحظہ کرتے ہی فوراً ہماری جانب ایک خاص مہم کے لئے روانہ ہو جاؤ جس میں تمہاری خوش بختی اور تکمیلِ نعمت مضمر ھے ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ ۔

جب ابن سلام کو امیر المومنین کی طرف سے خط موصول ہوا تو وہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فوراً دمشق روانہ ہو گئے ۔ وہاں اُن کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا اور عالیشان ضیافت خانہ میں فروکش کئے گئے ۔ عبداللہ بن سلام کو یقین ہو گیا کہ میری قدر و منزلت امیر المومنین کے نزدیک قابلِ رشک ہے ۔ اس عزّت افزائی اور پُرتکلّف ضیافت کے پردے میں اُن کے ساتھ مخادعت کا کیا کھیل کھیلا گیا وہ افسانہ نویس کی تحریر میں ملاحظہ کریں :

" ان ہی ایّام میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مقبول صحابی ابوھریرہ اور ابوالدرداء بھی دمشق میں مقیم تھے عبداللہ بن سلام کے ورود کے تین دن بعد شب کے وقت امیر معاویہؓ نے دونوں صحابیوں کو اپنی مجلسِ خاص میں طلب فرمایا اور انہیں داد و دہش سے سرفراز فرما کر کہنے لگے ۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ھمنشینو ! ہم آپ لوگوں کے

فضیلت کو مانتے ہیں اور دل سے آپکا احترام ملحوظ رکھتے ہیں۔ سردست آپکو اس غرض سے تکلیف دی ہے کہ ہم آپ دونوں سے ایک خاص مسئلہ میں مشورہ لینا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں ہم نے استخارہ بھی کر لیا ہے۔ لیکن اگر آپ دونوں کی کوشش سے اس کام میں کامیابی حاصل ہو گئی تو ہم ہمیشہ شکر گزار رہیں گے اور جب دونوں بزرگوں نے تعمیل حکم کے لئے مستعدی ظاہر کی تو حضرۃ معاویہؓ نے کہا ہماری ایک دختر سن بلوغ کو پہنچ چکی ہے جسکی شادی کی فکر دامن گیر ہے ہم اس کے بر کی تلاش میں ہیں اس وقت ہماری نظرِ انتخاب عبداللہ بن سلام کی جانب ہے کیونکہ وہ متقی، ادیب اور شریف النسب ہے ہم اسے اپنی دختر کیلئے پسند کرتے ہیں۔ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟۔ امیرالمومنین! اللہ نے جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے اُن کے لئے ہر دم آپ کو شکر گزار رہنا چاہیئے۔ سب سے بڑی نعمت یہ تھی کہ آپ رسولِ خدا کے کاتبِ وحی رہ چکے ہیں۔ عبداللہ بن سلام کا انتخاب اس مسئلہ میں نہایت مناسب و معقول ہے ابوالدرداء نے کہا! اچھا تو آپ دونوں اس مسئلہ کو عبداللہ بن سلام کے سامنے پیش کریں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ ہم نے اپنی دختر کو شادی بیاہ کے بارے میں پسندیدگی کا اختیار دے رکھا ہے پھر بھی ہمیں یقین ہے کہ وہ ہماری مرضی کے خلاف نہ کریگی۔"

یہ روایت نقلاً و عقلاً صحیح نہیں بلکہ کذب و افتراء کا مجموعہ کسی مخبوط الحواس سبائیت زدہ رافضی کے ذہن کا اختراع کردہ ہے اس روایۃ میں حضرۃ معاویہؓ نے عبداللہ بن سلام کی طرف حضرۃ ابوالدرداءؓ کو سفیر بنا کر روانہ کیا ہے اور یہ واقعہ حسب تصریح افسانہ نویس یزید کی ولایتِ عہد کی بیعت کے بعد کا ہے اور یزید کی ولایتِ عہد کا انعقاد ۵۶ھ میں ہوا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کے بعد کا ہے یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ اس سفارت کی ادائیگی وہ صحابی سرانجام دے رہے ہیں جو اس واقعہ سے ۲۴ برس قبل اس دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے ہیں کیونکہ حضرۃ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۲ھ میں ہے۔ (باقی آئندہ)

ڈاکٹر مہیندر ناسک —— امرتسری
راولپنڈی

آج کا مسلماں

بے رنگ ہوئے لالے ترے سب کوہ و کمر میں
باقی نہ رہا خون ترے قلب و جگر میں

پژمردہ و افسردہ نہالانِ چمن ہیں
شبنم میں ہے باقی نہ وہ نم بادِ سحر میں

مدت سے گہن میں ہیں ترے چرخ کے تارے
سوزش ہے شرر میں نہ ضیا شمس و قمر میں

محرومِ بصیرت ہیں فرنگی کے مقلد
ہیں اصل کے اثرات عیاں اس کے ثمر میں

حیوانیتِ محض نہیں مقصدِ انساں
مخفی ہے کوئی اور ہی شے روحِ بشر میں

کیا ہو گیا وہ جذبِ مسلمانی خدایا
ہے غیرتِ دیں باقی پدر میں نہ پسر میں

باطل کے پرستار ہیں فرعون کے بندے
اسباب غلامی ہیں حسیں ان کی نظر میں

دیں پڑھتے ہیں تحصیلِ زر و مال کی خاطر
زر بڑھ کے دل و دین سے ہے ان کی نظر میں

دنیائے جمادات کے خود غرض پجاری
کم تر زِ جمادات رہے اہلِ نظر میں

جب دامنِ دل سوزِ محبت سے ہو خالی
ملتا ہے کوئی لطف سفر میں نہ حضر میں

مکتب کے جواں ہیں سبھی الحاد کے خوگر
جچتے نہیں قرآن و خبر ان کی نظر میں

افرنگ کے ہر ملحدِ بے دین کی باتیں
بڑھ چڑھ کے ہر اک بات سے ہیں ان کی نظر میں

اس دیس کے استاد بصیرت سے ہیں محروم
آگ عشقِ محمدؐ کی نہیں ان کے جگر میں

اے ناسکِ ناداں نہ مصائب کا گلہ کر
سو حکمتیں ہوتی ہیں نہاں اس کے ضرر میں

حمزہ آغائی

میرے دیس کے افسر — بامِ عروج کے کبوتر

نہ اف کیجئے نہ بٹ کیجئے ! جو افسر کہے وہ جھٹ سے کیجئے

پچھلے مہینے کی بات ہے۔ ڈپٹی کمشنر ملتان نے دفاتر کی حاضری چیک کی۔ اکثر بڑے بڑے آفیسر غیر حاضر پائے گئے۔ ڈپٹی کمشنر نے ان کے نام کچھ اس طرح کا پیغام تحریر کیا :

"آج صبح میں آپ کے سلام کے لئے حاضر ہوا تھا ملاقات نہ ہو سکی۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں! پھر کبھی آؤں گا۔"

ایک دفعہ مجھے اپنے ایک دوست کے ساتھ محکمہ تعلیم کے ڈائریکٹر سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ بڑے تپاک سے ملے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ چپڑاسی کو بُلایا۔ کِنوں لانے کے لئے پیسے دیئے۔ چپڑاسی نے کِنوں لاکر میز پر رکھ دیئے۔ انہوں نے چپڑاسی سے کہا "ان میں سے ایک اچھا سا اٹھاکر مجھے دیدو۔" چپڑاسی نے چُن کر ایک صحت مند کِنوں اپنے صاحب کو دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس صاحب نے وہ موٹا سا کنوں اپنے چپڑاسی کو دیکر کہا۔ "یہ تم لے جاؤ۔ باقی ہم خود کھاتے رہیں گے۔"

ایک دفعہ میں نے ایک بہت بڑے آفیسر کی گفتگو سُنی جو ایک گنوار سائل کو کوئی بات سمجھا رہا تھا اور بات اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بات دوبارہ سمجھانے کی کوشش کی وہ نہ سمجھا۔ بجائے اس کے کہ وہ آفیسر اس سائل کو جھڑک دیتا — اور غصے سے کہتا۔ "تمہیں سمجھ نہیں آرہی ......" اس نے بڑ شفقت سے سائل سے پھر کہا۔ "بابا جی! شاید میں آپ کو نہیں سمجھا سکا۔ بات یوں ہے ....."

قارئین! ایسے واقعات بظاہر تو اپنی نوعیت کے اعتبار سے معمولی دکھائی دیتے ہیں لیکن حسنِ اخلاق اور نرمی کی یہ باتیں اُن لوگوں کے لئے باعثِ درس ہیں جو خدا کی زمین پر فرعون بن کے زندگی بسر کرتے ہیں۔ دوسروں کو سلام میں پہل کرنے کی بجائے اپنے عارضی عہدے کے غرور میں سلام کا جواب دینے میں بھی قباحت محسوس کرتے ہیں کہ آفیسری کا نشہ اُن کی عقل کو زائل کر دیتا ہے۔ ایسے بھی ہیں جو اپنے سوا کسی کو انسان ہی نہیں سمجھتے۔ خون کی سڑی ہوئی پھٹکی کی پیداوار ایک حقیر سا کیڑا۔ دوسرے کیڑے سے نفرت کرتا ہے۔ "ہم چو ما دیگرے نیست" قسم کے لوگ

اپنے ہی زعم میں دنیا کی اس تھوڑی سی خوش حالی پر پھد کتے پھرتے ہیں۔ قرآن مجید کی اِس ابدی سچائی کے مطابق کہ انسان جب اپنے آپ کو تھوڑا سا خوشحال دیکھتا ہے تو خدا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ انسان تو انسان۔ خدا کے بارے میں بھی بحث کرنے لگ جاتا ہے۔ " اماں! ہمیں کوئی آزاد خیال چپڑاسی لا دو جو روزہ نہ رکھتا ہو۔ بھئی! روزی تو دہ رکھے جسے کھانے کے لئے کچھ میسّر نہ ہو۔" بھئی! میں ناک کی سیدھ پہ چلتا ہوں۔ سوکھی روٹی کھاتا ہوں۔ دو کھا آدمی ہوں۔ تلوار کی دھار پہ چلتا ہوں۔ لگام کھینچ کے چلتا ہوں۔" اگر کسی ماتحت نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ڈاڑھی رکھی ہوئی ہو تو اپنی اندرونی خباثت۔ بد باطنی اور مذہب بیزاری کا اظہار کرنے سے نہیں چوکتے اور اُسے طنز سے "ادّے مولوی" کہہ کر پکارنے کو حفظِ نفس کا سامان قرار دیتے ھیں۔ ایسے لوگ اختیار کی ترنگ میں آ کر اسطرح کے بول بولنا اپنا حق سمجھتے ھیں۔ "مسٹر! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ آپ کس سے بات کر رہے ھیں" ——— "کیا مجھ سے بڑھ کر بھی اس ادارے میں کوئی شہ دماغ ہے"؟ ——— "مجھے چڑیوں کے شکار کے لئے توپوں کی ضرورت نہیں پڑے گی" ——— اپنے ماتحتوں کو ایسی ایسی گالیاں دینے میں اپنا علوِّ مرتبت محسوس کرتے ھیں جنہیں نقل کرنا ممکن ہی نہیں کہ قلم کا جگر اُن کے تصوّر سے ہی پھٹ جاتا ہے۔ ایسی ژاژ خائی سے جیسے اُن کے اختیار کی طنابیں مضبوط ھوتی ھیں ——— ایسے لوگ خود کو دشنت دشنام طرازی کا شہ سمجھتے ھیں۔ حالانکہ لوگ اُن کے شر سے بچنے کے لئے اُن کی تعظیم کرتے ھیں اور دنیا کا بدترین شخص وہ ہے۔ جس کی بدزبانی سے ڈر کر لوگ اُس کی تعظیم کریں۔ کسی شریف آدمی کی بے عزّتی کا حوصلہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عظمتِ بشری کے مرتبے سے فروتر ھیں۔ قرآن مجید کی زبان میں ایسے لوگ جانور ھیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر! ایسے بدتمیز آفیسرز کی جگہ دفاتر نہیں۔ پاگل خانے ھیں۔ متحرک و فعّال اہل کار ان کے نزدیک ان کی کوئی عزّت نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ ماتحتوں کے دماغوں میں سوراخ کر کے اپنی ترقی کی راھیں ھموار کرتے اور کلرکوں کی ہڈیوں پر اپنی پرموشنوں کی عمارتیں تعمیر کرتے ھیں کام کی زیادتی کے ساتھ جھڑکیاں، ملامت، اُن کی غیرت کی سودا۔ ضمیر کا بیع۔ خوامخواہ بے ایمانی کا الزام، جھوٹ کی تہمت لگانا اُن کا شیوہ ہے ——— لاہور کے ایک دفتر کا واقعہ ہے۔ ایک اھل کار بیمار ہوا اس نے گھر سے رخصت کی درخواست بھیجی۔ انچارج آفیسر نے لکھا۔ " درخواست گزار بہانہ بنا رہا ہے۔ کام کی زیادتی ہے اُسے گھر سے بُلایا جائے"۔ اِس طرف سے پوسٹ مین دفتر کی یہ چھٹی (تمہاری رخصت منظور نہیں کی گئی۔ فوراً دفتر حاضر ہوں ورنہ یکطرفہ کارروائی عمل میں لائی جائیگی) لیکر اھل کار کی گلی میں داخل ہو رہا تھا۔ اور دوسری طرف سے اھل کار کا جنازہ گھر سے نکل رہا تھا جس سے آواز آ رہی تھی :

جاؤ معصوم جنازے کے فسردہ پھولو میرے افسر سے کہو اب کوئی زحمت نہ کرے
جاؤ اس قتل کے بالواسطہ مجرم سے کہو اب کوئی وعدۂ تکلیفِ مروّت نہ کرے

بعض عہدیدار اپنی عارضی جاہ وحشمت اور بناوٹی گھمنڈ میں ایسے پھنکارتے پھرتے ھیں جیسے وہ کوئی انوکھی مخلوق ہوں۔ ماتحتوں کو گالی دینا ایسے افسروں کی ذھنی غذا ہے۔ جب وہ گالی بکتے ہیں۔ تو اس بازار کی مخلوق بھی شرما جاتی ہے۔ اکثر اھل منصب دفتری بالاخانوں پر نکیائی کی حیثیت رکھتے ھیں۔ ان میں کچھ شریف آدمی بھی ضرور ہوں گے لیکن غالب تعداد اوباش افسروں کی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو کسی نے کہا ہے ؎

یہ چار دن کی چاندنی تو کوئی بات نہیں زوال تیرے تعاقب میں ہے زوال سے ڈر

اپنے سوا ہر ایک کو بے ایمان سمجھنے اور شک کی نگاہ سے دیکھنے والے کو کبھی کبھار اپنے گریبان میں بھی جھانک لینا چاہیئے کہ بات بات پہ دوسروں کو ذھنی اذیت دینا کتنا بُرا ہے اگر اسی اذیت سے اسے دوچار کر دیا جائے تو اُس کی تاب لانا اُس کے بس میں ہوگا۔؟ پیدائشی طور پر اچھے سلوک اور رحم وکرم سے محروم افسر کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی محرومیوں کا بدلہ اپنے ماتحتوں سے لیتا رہے۔

عوام کے پیسے سے بڑی بڑی مراعات حاصل کرنے والے ان دُوں نہاد افسروں نے دفتری قواعد وضوابط کو اپنے گھر کی لونڈی بنا رکھا ہے۔ سرکاری گاڑی جس پہ اپنے ذاتی کام کیلئے اصولاً افسر بھی نہیں جا سکتا کہ گاڑی صرف دفتری کام کے لئے ہوتی ہے۔ اُس پر بیوی شاپنگ کے لئے جا رہی ہے۔ بچے سکول آجا رہے ھیں۔ صاحب جی کو اگر کسی دوسرے شہر ذاتی کام جانا ہے۔ تو وہاں کے ٹُور کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لینے میں پوری مہارت رکھتے ھیں اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ دفتر نے کسی دوسرے شہر سے کوئی چیز خریدنی تھی۔ جس کیلئے ایک اہلکار ہی کافی تھا۔ مگر صاحب بہادر خود تیار ہو گئے۔ اور بہانے بہانے سے اتنے چکّر لگائے کہ خریدی جانے والی چیز کی اصل قیمت سے بھی زیادہ صاحب کا ٹی اے ڈی اے بنا۔ اسی طرح ٹیلیفون جو حکومت دفتر کا کام نمٹانے کے لئے لگا کر دیتی ہے۔ اُس پر دفتر سے زیادہ ذاتی کالیں ہوتی ہیں۔ ماتحت کے لئے اس فون پہ دفتری کام کے لئے بھی ضروری پیغام دینا منع ہے۔ مگر کالے صاحب بہادر اور اُن کے دُم چھلّے۔ بیوی اور بیوی کی امی سے فضول باتوں میں گورنمنٹ کے ہزاروں روپے پانی کی طرح بہا دیتے ھیں۔

ایسے ہی لوگ بقرہ عید پہ اپنے ماتحت سے کہتے ہوئے نہیں ہچکچاتے کہ "عید آرہی ہے۔ قربانی کے لئے بکرا تو بھجوا دینا"۔ یا سائل سے کہنا۔ "رونے آرہے ھیں۔ کنستر گھی کا تو دیتے جانا"۔ ایسے لوگ اپنا پرایا ،

دوست دشمن ۔ امیر غریب کسی کو نہیں چھوڑتے ـــــــ اپنے ماتحت کے موٹر سائیکل پر گھر آنے جانے والے آفیسر، ماتحت کو اُس کی کوتاہی پر سرزنش کر سکتے ہیں ۔ ؟ ہاں شریف اہلکار کو جھوٹ سچ پریشان کرنا اُن کا شیوہ ہے ۔ رشوت اُن کے ہاتھ کی چھڑی اور بلیک میلنگ اُنکی جیب کی گھڑی ہے ۔ ایسے بدباطن خود تو بڑی بڑی ڈالیاں وصول کرتے ہوتے نہیں شرماتے اور اگر ایک چھوٹا اہلکار کسی چھوٹے جرم میں بھی پکڑا جائے ۔ (بے شک جرم چھوٹا ہو یا بڑا جرم ہے) تو اُس کی تصویر ۔ دو پولیس والوں کے ساتھ اخباروں میں آجاتی ہے "کلرک / پٹواری بیس روپے رشوت لیتے ہوئے رنگے ہاتھوں گرفتار" اور بریف کیسوں کی صورت میں لاکھوں / کروڑوں روپے رشوت لینے والے انٹرنیشنل جغادریوں کو کوئی نہیں پوچھتا اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم چھوٹے چوروں کو سزا دیتے ہیں اور بڑے چوروں کو سلام کرتے ہیں ۔

دفاتر میں ایسے صاحب بہادروں کی کارروائی زیرو کے برابر ہوتی ہے ۔ زیادہ سے زیادہ تنخواہ پاتے والے یہ "چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر" قسم کے لوگ ۔ محنت اور ذمّہ داری سے بچنے کے لئے تمام فائلیں کسی نہ کسی بہانے نیچے مارک کرتے چلے جاتے ہیں ۔ حالانکہ حکومت اُنہیں سٹینو، ٹیلیفون، چپڑاسی صرف اس مقصد کے لئے مہیا کرتی ہے کہ اہم معاملات ۔ آفیسر خود نمٹاتے ـــــ ہاں اگر کسی سے ٹک مکا ہو جائے تو اس کا کیس دفتری و اخلاقی فرائض کے نام پر ذاتی دلچسپی لے کر حل کرنے میں بڑی پھُرتی دکھاتے ہیں ورنہ فائلوں پر اُن کی مبلغ کارروائی "As discussed" ۔ "Discussed" ۔ "Please Discuss" ـــــــــــــ ("بات کریں" ۔ "بات ہوئی" ۔ "جیسے کہ بات ہوئی") کے ارد گرد گھومتی ہوئی نظر آتی ہے ۔ یا ذمّہ داری سے کنّی کتراتے ہوئے فائل پر لکھتے ہیں ۔ "چٹھی پر دستخط کر دیئے گئے ہیں ۔ ارسال کرنے سے پہلے ایڈریس چیک کر لیا جائے" گویا اس طرح غلطی نکل آنے کی صورت میں وہ بچ جائیں گے ۔

بعض بدقماش عناصر ایسے ہی افسروں کی روایتی بستیوں میں محفوظ ہیں اور انتظامیہ کے نفسل ،فیفی صرف اس لئے اُن سے صرفِ نظر کرتے ہیں کہ وہ انہیں ماہانہ پہنچاتے ہیں ۔ ایسے لوگ بددیانت افسروں کی نفسی اور جنسی کمزوریوں کو محفوظ رکھنے کا کام کرتے ـــ اور زیادہ سے زیادہ ترقی پاتے ہیں ۔ دفاتر میں ترقی پانے والے کا معیار بھی یہی ہے ۔ کہ کوئی اہلکار کسی افسر کا کتنا جی حضوریا ہے ؟ کئی ایسے لُقندرے افسروں

کے ساتھ منسلک ھیں۔ جس طرح دوشیزہ کے کان میں بالیاں ہوتی ھیں۔ زیادہ سے زیادہ عہدے ملائکۃ المقربین اور ڈالیاں پیش کرنے والوں کے لئے مخصوص ھیں۔ جو اپنے افسر کے اشارۂ چشم و ابرو پر رقص کرنا حج اکبر سمجھتے ھیں۔ افسروں کی عیش و عشرت کے لیل و نہار، ان ہی ٹاؤٹوں کے حسین و جمیل رنگ و روغن سے تیار ہوتے ھیں۔ ایسے ہی زلہ خوار۔ نگار خانوں میں بیٹھ کر شریف لوگوں پر کلورخ اندازی کرتے ـــــ اور انہیں تکلیف دیکر حظ اٹھاتے ھیں۔

بعض افسروں کی نظر میں عورت کے بغیر، گلشن کا کاروبار ہی نہیں چلتا۔ دفاتر کے لات و ھُبل اور سنے ہونے آفیسران کے ارد گرد ڈھیدکتی گلہریوں اور لوگنڈا کی چھپکلیوں کا ہجوم رہتا ہے۔ مرنے کے بعد انکے گھروں سے شراب کی بوتلیں اور لونڈیاں نکلتی ھیں۔ ایسے بوالہوس۔ خدا کے خوف کو آگ لگاتے اور اپنی بہو بیٹیوں کو بھول جاتے ھیں۔ فنِ خوشامد کا چراغ روشن کرنے والے۔ نزدیکانِ بے بصر۔ جی حضوریے سرکاری و غیر سرکاری کارندے۔ ایسے افسروں کے لئے عیش و عشرت کا سامان مہیا کرتے اور اپنے جائز و ناجائز کام نکلواتے ھیں۔ پیران تسمہ پا ایسے منفی افسروں کا وجود آوارہ قہقہوں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ـــــ کیا نگاہِ فسانہ ساز کو دوش دینے والے زلہ خوارانِ خسروی بتا سکتے ھیں کہ ریشمی پرچموں کی لہروں۔ حدیثِ نازونیاز اور ہوائے زلفِ دراز کا سرکاری دفاتر سے کیا تعلق ہے۔؟

بہنچی کچھ اس طرح سے ثقافت عروج پر ... نوخیز افسروں کو سلیماں کہا گیا۔
ہر جی حضوریئے کو مناصب کی آڑ میں ... شورش کے از حلقۂ خوباں کہا گیا

اس بات سے انکار نہیں کہ کبھی آفیسر ایک جیسے نہیں ہوتے لیکن اکثریت ایسے افیسروں کی ہے جو گورنمنٹ کے کھاتے سے چھ چھ سات سات ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ وصول کرتے ھیں۔ ٹیلیفون۔ کار، کوٹھی، نوکر ول کی سہولتیں اس پر مستزاد ھیں۔ مگر دفتر میں بیٹھ کر اُن کا کام محض اخبار بینی یا جوڑ توڑ کرکے اپنے راتب میں اضافہ کرنے کے بارے میں سوچنے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ اور اپنے سے بڑے آفیسر کے سامنے بات بنانے کی اس طرح کوشش کرتے ھیں۔ جیسے سارا کام وہی سرانجام دے رہے ہوں۔ ٹیلیفون پر اُن کی باتیں خرافات کا پلندہ ہوتی ھیں۔ یہ لوگ جال بچھانے میں فنکار ہوتے ھیں۔ اپنے مطلب کے لئے آگے ٹاؤٹ رکھتے ھیں۔ کئی چہروں سے غازہ اتر جائے تو بہت سے ستم بے نقاب ہو جائیں۔ اگر واقعات تحریر کئے جائیں تو کئی شیش محل ٹوٹ سکتے ھیں۔ ایسے کٹھ کھنے افسروں کی بدولت دفتروں کا نظم و نسق ایک کھنڈر ہو کے

رہ گیا ہے اور یہ اپنے اپاہج خیالات کے باعث کسی قابل نہیں۔ ایسے جاہل آفیسر کی معیت میں عاقل ماتحت گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔

بعض ژولیدہ دماغ اپنے ماتحتوں سے انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں، غریب کو کچوکے لگانا طنز، بکواس، ناجائز الزامات لگا کر ماتحت کو ہراساں کرنا اُن کا شغل بن چکا ہے۔ کوئی اچھا اہل کار کسی کمینے اور سفلے آفیسر کے جھوٹے رعب سے نہیں ڈرتا۔ ان کے پستہ قد کسی کو کیا ڈرا سکتے ہیں۔ کہ اس قبیلے کے کئی آفیسر کٹے ہوئے پتنگوں کی طرح کوٹھوں پہ پڑے ہوتے دیکھے گئے ہیں۔ اپنے اختیار کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے ماتحتوں کو اُن کے جائز حقوق سے بھی محروم رکھ کر ایسے لوگ مکارانہ ہنسی ہنسنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اُنہیں کرسی کی ترنگ میں جھوٹ بولتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ شراب کا نشہ کرسی کا گھمنڈ اور رنڈی کا بستر یکساں حیثیت کی چیز ہیں۔ زبان کی عصمت توڑی چیز ہے۔ یہ اس کے ساتھ بھی داشتہ کا سا سلوک کرتے ہیں۔ سائل سے کہتا "دفتر والوں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ اہل کار کے خلاف درخواست لکھ کر دو"۔ دفتری اہل کار سے کہنا۔ سائل کے خلاف بھرپور لکھ دیا ہے بہت اچھا کیا ہے۔ اس قسم کے ہم قافیہ آفیسر ہی ایسی ذلالت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ جو خود کسی قابل نہیں ہوتے۔ گنجائش سے زیادہ بڑا عہدہ مل جاتا ہے۔ قوت فیصلہ اپنے میں نہیں ہوتی اور الزام ہر وقت ماتحتوں کو دیتے ہیں۔ اِقتدار کے سامنے جھکتے اور غریب پر سواری کرتے ہیں۔ حاکم کو دیکھ کر بھیگی بلّی بن جاتے ہیں اور ماتحت کے سامنے ماش کی دال کی طرح اینٹھتے ہیں۔ جدید تہذیب کے مریض حاکم اپنے اور ماتحت کے درمیان فاصلہ رکھتے ہیں کہ تم پانچ سکیل کے آدمی منہ اُٹھا کر چلے آتے ہو میرا سکیل نمبر ۱۸ ہے، اُنیس ۱۹ مجھے ملنے والا ہے ــــ اور اپنے سے بڑے بدتمیز آفیسر کے سامنے اس طرح کانپتے ہیں۔ جس طرح رات کے تاریک سناٹے میں گنہگار کا دل کانپتا ہے ــــــ بعض افسروں کو گلہ ہوتا ہے کہ ماتحت اکٹھے ہو کر اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ گویا اُن کے بُرے سلوک کے بعد ماتحتوں پہ لازم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اُن کے لئے درود سلام کے گلدستے سجایا کریں۔ اور پھر جس آفیسر نے اپنے ماتحتوں پہ مسلسل ظلم ہی کیا ہو۔ وہ خود جب کسی ابتلار کا شکار ہوتا ہے۔ تو سب سے پہلے اس کا دماغ جواب دے جاتا۔ دل اپنے کرتوت کے تصور سے کانپنے لگتا اور آنکھوں تلے اندھیرا آجاتا ہے۔ کہ جو شخص سوال پوچھنے میں تیز ہو وہ جواب دینے میں کمزور ہوتا ہے۔

خودکشی کا تو ارادہ بھی نہ دل میں لائیے　　　جائیے دفتر میں جاکر جونیئر کہلائیے
جاھلِ مطلق بھی ہو گر سینیئر دب جائیے　　　وہ کہے "ہم بولتا ہے" تم کہو "فرمائیے"!

دھوپ چھاؤں کی اولاد بعض آفیسر تو عضو معطل ھیں - ایسے زندگی بسر کرتے ھیں جیسے دفتر سے کو واسطہ ہی نہیں - انہیں اپنے جسم کا عیش چاہیئے - ماتحت کی سگریٹ کی ڈبیا سے لیکر چائے کے کپ تک کو اپنے باپ کا مال سمجھتے ھیں ــــ آپس میں ٹیلیفون پر مشورے کرکے - میٹنگوں کے نام پر مری - کوھالہ ایبٹ آباد - کراچی مختلف شہروں کی سیر میں گلچھرے اڑانا اُن کا معمول ہے - بیگم نے اگر کہہ دیا "کھانا پکانے کیلئے نوکر چاہئے" تو صاحب بہادر کے لئے کوئی خانساماں - چپڑاسی کے نام پر بھرتی کرکے دفتر کی تنخواہ پہ اپنے گھر میں ڈال لینا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ــــــــ !

ایک دفتر کیلئے ایک مالی کی سیٹ خالی تھی - ایمپلائمنٹ ایکسچینج کے ذریعے نام منگوا لئے گئے تھے انٹرویو والے دن حاضری لگائی گئی - اُن میں ادارے کے سربراہ کا بھی ایک آدمی تھا - اس نے اس زعم میں کلرک کو حاضری نہ لگوائی کہ اُسے سربراہ خود بلوائے گا - اُمیدواروں کی لسٹ پیش کی گئی - صاحب بہادر نے لسٹ دیکھ کر کہا - "باھر جتنے آدمی آئے ھیں - کیا سب کی حاضری لگائی گئی ہے؟ اھلکار نے کہا - جی ھاں! صاحب نے کہا - " ایندے وچ سلمان داناں تے کائی نہ " اور بعد میں دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سلمان کو ہی بھرتی کیا گیا جو صاحب کے گھر پہلے ہی کام کر رہا تھا -

بعض لوگ ایسے بھی ھیں - جو اپنے زعم میں چالاکی کا مظاھرہ کرتے ہوئے دوسروں کو زرخرید غلام سمجھتے ھیں - اور قسم قسم کی فرمائش کرنے سے بھی نہیں چُوکتے اور خود اپنا یہ حال کہ بلی کو چھیچھڑا تک بھی نہیں ڈال سکتے ایسے آفیسر بہت کم ھیں کہ ماتحت بھی جن کے حسنِ سلوک کی تعریف کرتے ھوں - چھوٹی چھوٹی بات پر جواب طلبی کرنا انکا مشغلہ ہے - خود چھ چھ ماہ فائلوں پر دیر کرنے والے آفیسر ماتحت کو یہ لکھتے ہوئے نہیں شرماتے کہ "فائل پانچ دن دیر سے آئی ہے - وضاحت کی جاتے " سیڈسٹ (Sadists) قسم کے ایسے ھی آفیسر ماتحت کو زیادہ سے زیادہ دکھ دیکر خوش ھوتے ھیں -

بعض ایسے بھی ھیں جو اپنے ملازم سے رات دن گھر کا کام لیتے ھیں - مگر افطار کیلئے اُس بدقسمت ملازم کو اُس خانہ شوم سے ایک وقت کا کھانا بھی میسّر نہیں آتا - بعض آفیسر اپنی بدعنوانی اور بد دیانتی کو چھپانے

سے لئے بغیر وجہ کے دوسروں پر برستے رہتے ھیں۔ اور شریف آدمیوں کے معاملے میں تو ٹوٹے ہوئے جوتے کی طرح بڑھتے ہی چلے جاتے ھیں۔ جیسے اُن کے خیال میں دوسروں پہ برستے رہنے سے اُن کے گھناؤنے کردار پہ پردہ پڑا رہتا ہے۔ حالانکہ خدا ذلیل کو ڈھیل دئیے چلا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی سرکشی میں کہاں تک بڑھتا ہے۔ اور ظالم یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے۔ صحیح کر رہا ہے۔ اور پھر وقت آنے پہ خدا اُسے پکڑتا ہے تو دست بستہ کھڑے والے کانوں کو ہاتھ لگاتے پھرتے ھیں ——— کہ وقت پہ ایک لنگڑا مچھر ہی نمرود کی ساری نخوت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ اگر ماتحت اپنی عزتِ نفس کے تحفظ کیلئے سچی بات کہتا ہے۔ تو اُسے کہا جاتا ہے یہ بدتمیز ہے، بد اخلاق ہے، سازشی ہے۔ افسروں پر کیچڑ اچھالتا ہے۔ اسے دفتری آداب سے واقفیت نہیں۔ اسے گفتگو کا سلیقہ نہیں آتا۔ اور اُسی کے مقابلہ میں اگر کوئی حقیقتاً بد خلق مالک منیجر۔ آفیسر یا جاگیردار باقاعدہ بدتمیزی اور بدزبانی کا مظاہرہ کرتا ہے تو لوگ کہتے ھیں کہ بلڈ پریشر کا مریض ہے۔ اس کے موڈ کا پتہ نہیں چلتا۔ کتنا عقل مند بلڈ پریشر ہے کہ اپنے سے بڑے کے سامنے نہیں بڑھتا اور ماتحت پہ تیز ہو جاتا ہے۔!

لبعض کہتے ھیں کہ فلاں آدمی احساسِ برتری میں مبتلا ہے۔ اس لئے دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھتا ہے۔ حالانکہ احساسِ برتری۔ احساسِ کم تری ہی کی ایک دوسری شکل ہے۔ دراصل آج کل کے معاشرے کو ایک ایسے زینے سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔ جس کا ہر آدمی اپنے اوپر والے کا غلام ہے نیچے والے کا خدا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ:

شریف آدمی کی تعریف میں یہی کہنا کافی ہے کہ وہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا ——— قدرت نے ظالم کے چہرے سے حیا اور کمینے کے چہرے سے رونق چھین رکھی ہے ——— زیردستوں پہ اس قدر کم سختی کر کہ اگر زمانہ اُنہیں تجھ سے زبردست بنا دے تو، تو اُن کے اِنتقام کی تاب لا سکے ——— جو دوسروں کی تعظیم کرتا ہے اُس کی تعظیم کی جاتی ہے ——— خوش اخلاق کے ہاتھ سے زہر بھی لے لو۔ مگر کسی بد اخلاق کے ہاتھ سے مٹھائی بھی نہ لو ———!

ہ محنت کا صلہ اہلِ قیادت سے نہ مانگو مرُدے کبھی قبروں کی کھدائی نہیں دیتے

فرعون اگر بھوکا ہوتا تو کبھی خدائی کا دعویٰ نہ کرتا ——— اپنے ماتحتوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے وہ آدمیت میں تم سے آگے ہوں ——— رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا۔ " سب سے اچھا انسان وہ ہے۔ جو دوسروں کو نفع پہنچاتے اور سب سے بُرا انسان وہ ہے جو اپنے ماتحتوں کو بُرا جانے اور ماتحت اُس سے نفرت رکھیں ـــــــ !

گالیاں دینے سے دوسروں کا کچھ نہیں بگڑتا مگر گالی دینے والے کو لوگ بدتہذیب، اکھڑ، بدزبان اور ذہنی مریض تصور کرتے ہیں۔ ظالم آقا و مالک اور بدطینت افسروں کے منہ پہ اُن کی تعریف کرنے والے کئی ماتحت بیٹھ پیچھے اُنہیں بددعائیں دیتے ہوئے سُنے گئے ہیں۔ کہ ظالم لوگ ایسی زنجیریں ابھی تک تلاش نہیں کر سکے جو دماغوں کو جکڑ سکیں۔ اُن کے ماتحتوں کے نزدیک اُن کی حیثیت خس و خاشاک سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ ریٹائر ہونے کے بعد اس طرح روتے دیکھے گئے ہیں۔ جس طرح ایک بوڑھی بیوہ افلاس کے نرغہ میں جوانی کو روتی ہے ـــــــ عزّت یہ نہیں کہ انسان چند دن کی افسری میں اپنے آپ کو خدا سمجھے۔ عزّت یہ ہے کہ لوگ جانے کے بعد بھی اُسے یاد رکھیں۔ اور یہ لوگ نہیں جانتے کہ حقیقی عزّت و احترام وہ ہوتا ہے جو دل سے کیا جائے کہ :

دل بڑی مشکل سے کرتا ہے کسی کا احترام   رسماً آدمی کا احترام آدمی کرتا ہے

حسنِ انتخاب

پاکستان کی سیاسی زندگی

اِسلام کا سیاسی نظام تو ہم رائج نہ کر سکے ـــــ اور غیروں کا جو نظام ہم نے اپنایا ہے اس کے ساتھ بھی انصاف نہ کیا۔ اس کی خوبیاں چھوڑ دیں اور اور برائیوں کو شعار کر لیا۔

نتیجہ سب کے سامنے ہے

امیر شریعت

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

ملتان ۱۹۵۸ء

خادم حسین

زبان میری ہے بات اُن کی

آنکھ کی حیا عورت کی چادر ہے ۔ ملکی سرحدیں ہماری چار دیواری ہیں ۔ (نصرت بھٹو)

گلچھرے اڑاؤ لوگو ! رنگ رلیاں مناؤ لوگو !

سانحہ بہاولپور کی تحقیقات کا اعلان کب اور کہاں کیا گیا ؟ ارباب اقتدار بھی خاموش ہیں (اعجاز الحق)

میں کس کے ہاتھ میں ان کا لہو تلاش کروں

کہ سارے شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

ساہیوال میں ڈاکوؤں نے تیس منٹ کے اندر دو بنک لوٹ لیے ۔ (ایک خبر)

پاکستان پولیس غفلت کا نیا ریکارڈ !

وزارت اطلاعات نے فحش اخباری تراشے اکٹھے کرنے شروع کر دیئے ۔ (ایک خبر)

سب فراڈ ہے ۔ ٹی وی پر تھرکتی ناچتی ، نیم برہنہ زندہ لاشیں وزارت اطلاعات کو نظر نہیں آتیں ۔ !

وزیروں کی کرپشن کے الزامات بے بنیاد ہیں ۔ (بے نظیر)

نیک لوگوں پر طوفان ہے ۔ بہتان ہے ۔

پنجاب اسمبلی میں ہنگامہ ، گالی گلوچ ، مارکٹائی ، اپوزیشن اور سرکاری بنچوں میں فحش گالیوں کا تبادلہ ۔ (ایک خبر)

یہ سب پڑھے لکھے لوگوں کی باتیں ہیں سرکار !

وفاقی وزراء امداد دینے والے عالمی اداروں سے کمیشن طلب کرتے ہیں ۔ (اصغر خاں)

غریب مزدوروں کے لیڈروں کو آپ مانگتے بھی نہیں دیکھ سکتے ۔ کتنا ظلم ہے ۔

عورت کو اشتہار نہ بنایا جائے ۔ (مولانا محمد حسین ہزاروی)

صرف وزیر اعظم بنایا جائے ۔

مارشل لاء دور میں سب سے زیادہ نقصان خواتین کو پہنچا۔ (نصرت بھٹو)

فوجی ایسے تو نہیں ہوتے !

کتوں کی سرمائی ڈوڈ کے مقابلے ختم۔ سید آل حسین شاہ ستیانہ آف فیصل آباد کا کتا اول رہا۔ (ایک خبر)

واہ شاہ جی ! پاکستانی سیدوں کو یہی کام سجتے ہیں۔

اب پنجاب کی سیاست میں نیا سورج طلوع ہوگا۔ (مصطفےٰ کھر)

اس کی خواہش ہے کہ آنگن میں اتارے سورج
بھول بیٹھا ہے کہ خود موم کا گھر رکھتا ہے

جوا پولیس کی رضامندی سے ہو سکتا ہے۔ ڈکیتیاں نہیں۔ (آئی جی پنجاب)

ڈکیتیوں کا چارج کس قانون نافذ کرنے والے ادارے کے پاس ہے ؟

غیر ملکی اخبارات مسٹر ٹن پرسنٹ کیسے کہہ رہے ہیں ؟ (جتوئی)

سہیلی بوجھ پہیلی !

پنجاب اسمبلی کے لئے ایک سال میں ۷۰ دن کام کرنا ضروری ہے (سپیکر کی رولنگ)

کام یہی گالی گلوچ، مارکٹائی۔ فحش گالیوں کا تبادلہ وغیرہ۔

اپوزیشن بدعنوانی کا الزام ثابت کر دے تو نشست چھوڑ دوں گا۔ (حاکم علی زرداری)

یہی تو بات ہے آپ پاؤں کے نشانات مٹاتے چلے جاتے ہیں سائیں !

بیگم نصرت بھٹو کو بیوہ کہنے پر پنجاب اسمبلی میں ہنگامہ، اپوزیشن کا ایوان سے واک آؤٹ۔ (ایک خبر)

خدانخواستہ کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو اسے بیوہ ہی تو کہتے ہیں۔

مجھے غریبوں اور مزدوروں کی آواز سمجھا جاتا ہے (بے نظیر)

اصلاح انتظام جہاں تیری بھول ہے
یاں ہر گدھے کی پیٹھ پر اطلس کی جھول ہے

جس امریکہ نے ذوالفقار علی بھٹو کو مروایا۔ آج وزیراعظم بے نظیر کا سجن ہے (مبشر حسن)

" نہ اس کی دوستی اچھی ۔ نہ اس کی دشمنی اچھی"۔

غریب دو وقت کی روٹی کو ترستے ہیں ۔ سرمایہ دار کے کتے بھی بسکٹ کھاتے ہیں (ولی خان)

خان صاحب ! پنجاب نے آپ کی غربت تو دور کر دی ہے۔

ایس ایس پی آفس کے قریب ڈکیتی، اساتذہ کی تنخواہوں کے چار لاکھ روپے لوٹ لئے گئے۔ (ایک خبر)

اسے ہی تو ٹُک ٹُکا کہتے ہیں ۔

اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق معاشرہ قائم کیا جائے۔ (بے نظیر)

کس کو کہہ رہی ہیں محترمہ! ضیاء الحق کی حکومت نہیں ہے۔ آپ خود وزیراعظم ہیں۔

کرپشن کی وجہ سے آج خود کو ایم این اے کہلواتے شرم محسوس ہوتی ہے (عابدہ حسین)

کوئی بات نہیں پاکستان میں بڑوں کے لئے سب روا ہے ۔

اسلامی جمہوری اتحاد میں جماعت اسلامی ، احراری اور کانگریس نواز لوگ بیٹھے ہوئے ہیں ۔ (نصرت بھٹو)

کھڑے ہو کر کیا بگاڑ لیں گے ۔

جوں ہی وزیراعظم بے نظیر کے سر سے دوپٹہ ہلتا ہے ۔ اہل مغرب کے دل تشویش اور خوف سے ہل جاتے ہیں ۔ انہیں فوج کے آنے کا دھڑکا سا لگا رہتا ہے ۔ (کرسٹینا لمب فنانشل ٹائمز)

فنا کا خوف کچھ اہل حیات ہی کو نہیں

ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے

بیگم نصرت بھٹو کو معلوم نہیں ۔ سوشلزم کو تو جنم بھومی میں بھی پناہ نہیں مل رہی۔ (چوہدری محمد ریاض ۔ ایم پی اے)

سوشلزم سہمے مسافر کی طرح لگتا ہے یہ کراچی میں مہاجر کی طرح لگتا ہے ۔

رومانیہ اور بلغاریہ میں آمریت کے خلاف زبردست مظاہرے۔ روس اور چین نے بھی
چاؤشسکو کو پناہ نہ دی۔ (ایک خبر)

سوشلزم، کمیونزم کا دھڑن تختہ، جھینگر کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے!

صدر اور میں نے تمام امور باہمی مشورے سے چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ (وزیر اعظم)

تجربہ جرأت پہ غالب آگیا۔

ایران اس سال بھی حج کا بائیکاٹ کرے گا۔ (ایک خبر)

تم روٹھے ہم چھوٹے!

ایک سال میں ترقی نہیں صرف چیخ وپکار ہوئی ہے (جنیجو!)

نظر آتی ہے اک تصویر روز   اور وہی بے ربط سی تقریر روز

۲۰ دسمبر سے بجلی کی لوڈشیڈنگ شروع ہوگی۔ (ایک خبر)

ڈاکو، چور، لیٹرے اور بعض پولیس اہلکاروں کے لئے خوشخبری!

ہزارہ سے تعلق رکھنے والے ایک رکن سرحد اسمبلی۔ نشے میں لڑکھڑاتے ہوئے اپنے کمرے سے
برہنہ ہی باہر نکل آئے۔ (ایک خبر)

ننگے سر، ننگے پاؤں۔ ننگے بدن
ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

روسی نائب صدر نے آئین میں ترمیم کا مطالبہ کر دیا، ملکیت زمین، کاروباری اور جمہوریتوں
کی انفرادی خود مختاری کے قوانین بھی پاس کئے جائیں۔ (ایک خبر)

کیا فرماتے ہیں پاکستانی سوشلسٹ بیچ اس مسئلہ کے؟

اسلام کو ملاؤں، آمروں اور ڈریکولاؤں سے خطرہ ہے۔ (دفاقی وزیر تعلیم)

چلتے پھرتے گرٹر کی ہوا سرکی ہے   نام اس کا غلام مصطفےٰ شاہ پھرکی ہے

مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ (شادی کی تقریب میں صدر کا بیان)

آئیے آپ کو جوان بنا دوں!

سوشل چینج

رُواں رُواں جواں جواں
یہ مُسکراتی پتلیاں
دِلوں میں عزم بیکراں
بہارِ یہ ہے یہ جہاں
روش روش رواں دواں
ہیں یہ حسیں جوانیاں۔ جوانیاں
جہانِ دل کی رانیاں اور اَن سُنی کہانیاں
بہارِ یہ کہانیاں ہیں سیکڑوں کہانیاں
سنو تو لِن ترانیاں
کہ ہم جوان قافلے
مٹائیں گے یہ فاصلے؟

قمر الحسنین قمر

۸۱

اک ذرا سفید کافرستان تک .....!

برطانیہ سے قائدِ تحریک ختمِ نبوت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہٗ
کا مکتوب گرامی ـــــــــــــــ مدیر کے نام!

باسمہٖ سبحانہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ـــــ جانے کیوں میرا دل اس مرتبہ سفر کے نام سے دہشت زدہ تھا، خصوصاً برطانیہ کے سفر کے لئے! ستمبر سے دسمبر آگیا اور میں چاہنے کے باوجود دل کو سفر کے لئے آمادہ نہ کر سکا۔ سب کے اصرار اور برطانیہ میں احرار دوستوں کے تقاضوں کے پیشِ نظر آخرکار میں سفر کے لئے نکل کھڑا ہوا، اور چار دسمبر کی شام جہاز پر سوار ہو گیا۔ ملتان سے استنبول تک طبیعت بے قرار، مضطرب رہی۔ دلِ وحشی کو کسی پہلو قرار نہ تھا، نماز پڑھی، دعائیں مانگیں استغفار کیا اور آیت الکرسی پڑھی ـــــــــــــــــــــــ مگر ایک انجانا سا خوف میری رگوں میں سرایت کر چکا تھا، استنبول پہنچا تو خوف کی سرد لہریں جسم کو بے جان کرنے لگیں اس پر مستزاد ترکی میں چلنے والی ٹھنڈی یخ ہواؤں کا بے رحم رویہ کہ وہ آری کی طرح گوشت کو کاٹتی ہوئی ہڈیوں تک جا پہنچیں، اتنے میں ایک کرخت نسوانی آواز گونجی ـــــ "جن لوگوں نے استانبول سے آگے سفر کرنا ہے

وہ میرے پیچھے لائن بنالیں" ـــــ!

ایک آواز کی کرختگی دوسرے بیگانگی اور تیسرے زبانِ فرنگ مجھے تو وحشتوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا پھر وہ نسائیت سے محروم عورت ہماری لائن درست کر کے خود لائن سے نکل گئی ۳۰، ۳۵ منٹ لائن میں کھڑے کھڑے اپنی باری آنے پر جب متعلقہ کاؤنٹر پر پہنچا تو ایں جانب چونکہ زبان افرنگ سے واجبی سا تعلق رکھتے ہیں اس لئے عرضِ مدعا کے لئے قرآنی زبان کا سہارا لینا پڑا۔ اس نے کہا تمہارا ٹکٹ تو لندن تک کا ہے مگر تمہارے سامان کا ٹکٹ صرف استانبول

تک ہے اور تم سامان لینے کے لئے اندر نہیں جا سکتے کیونکہ گیٹ کے اندر "ترکستان" اور باہر تم پاکستانی ہو ، تمہارے پاس ترکی کا ویزا نہیں ہے ۔ میں نے اُسے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی ، مگر نہ اُس نے میری غیر فصیح انگریزی سمجھی اور نہ فصیح عربی ـــــــ میں نے کہا کہ میں نے سامان اُٹھانا ہے رہنا نہیں ہے ، اُس نے مخلوط عربی میں کہا " مَا فِی مُشکِل " اور ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اِدھر جاؤ ، میں نے گردن گھما کے داہنی جانب دیکھا تو وہی بُت کافر پھر موجود تھی ۔ اُس نے کہا ۔" نو نو ، گو بیک ۔" میں نے اُسے کہا کہ :

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے ، کلیسا مرے آگے

کاؤنٹر مَیں نے ذرا اپنی مردانگی کا اظہار کیا اور اس مؤمنہ کفر کو تیز تیز اور گرجدار آواز اور لفظوں سے خوب سمجھایا اُس نے میرے پاسپورٹ کی انٹری کی ، ٹکٹ نمبر لکھا اور مجھے ۱۱۱ نمبر گیٹ سے جہاز میں سوار ہونے کے لئے کہا ۔ میں نے اُسے بیگ کے لئے یاد دہانی کرائی تو اس نے کہا " نو پرابلم ـــ" " ما فی مشکل ، نو پرابلم کا ترجمہ ہے جو ایرانی اور عربی زبان سے مرکب ہے جیسے ہمارے ہاں دعا رگنج العرش ، گنج ـــ فارسی اور العرش ـــ عربی ـــ یا آجکل دکانداروں نے طوفانِ لعنت اُٹھا رکھا ہے ...... " الیاپوکش " ، " الاراٸیں " ، " الموٹرز " وغیرہ بہر نوع قہرِ درویش برجانِ درویش ـــــ ہم نے اعتبار کیا اور جہاز میں بیٹھ گئے ۔

اور سفید کافرستان کے ایئرپورٹ پر وہاں کے وقت کے مطابق ۵۰-۱۱ پر پہنچے ، اب انہوں نے کاؤنٹر پر ایک اردو سپیکنگ نوکر رکھا ہوا ہے جو اوورسیز کو سوالات کے ذریعہ بہت پریشان کرتا ہے اور لب و لہجہ نہایت مکروہ ہوتا ہے ، نہ جانے ہندو سکھ یا مرزائی ہے ؟ حالانکہ سوالات کی ایک لمبی بوچھاڑ اسلام آباد میں ہو چکی ہوتی ہے پھر ہیتھرو ایئرپورٹ پہنچ کر وہی تجربہ اور لہجہ بلکہ اس سے بھی بدتر ـــــ سمجھ نہیں آتا ، یہاں پہنچنے کے بعد پھر سامان کی تلاش شروع کی اور دو گھنٹے تک منتظر رہا ، تمام نمبروں کی بیلٹس کو دیکھتا رہا ۔ کمپیوٹر پر پروازوں کے نمبر دیکھ کر تھک گیا تو ایک ایشین چہرہ نظر آیا ، اُن سے کہا کہ " ایکس کیوز می " ، میری تھوڑی سی رہنمائی کریں انہوں نے کمالِ مُروّت سے مجھے سمجھایا کہ جو سامان بیلٹ سے نیچے پڑا ہوتا ہے وہ دیکھیں ،

چنانچہ دوبارہ بیلٹ نمبر ۳ اور ۴ کے اِرد گرد گھوم پھر کر اپنا بیگ دیکھا اور نہ پایا ۔ سوچا وہ شاید کراچی یا استنبول میں کسی کو پسند آ گیا ہے ۔ واپس انہی صاحب کی تلاش میں آیا تو وہ مل گئے ۔ ان کو تفصیلات بتائیں تو وہ اسی کام سے متعلقہ ملازم نکلے ۔ انہوں نے تمام تفصیلات دوبارہ پوچھیں اور فوراً استانبول ٹیلکس کر دی ۔ مجھے بیگ کی چابی دینے —— اور ایک فارم پُر کرنے کو کہا ۔ میں نے چابی دیتے ہوئے کہا کہ آپ خود ہی فارم پُر کریں بتاتا میں ہوں ۔ انہوں نے چابی ایک چھوٹے لفافے میں ڈال کر سیل کر دی اور فارم فل کیا اور کہا کہ آپ جائیں ' ہاں اپنا ایڈریس لکھوا دیں میں نے سردار محمدؐ صاحب (اپنے داعی) کا ایڈریس اور فون نمبر لکھوایا اور پوچھا ۔ آپ کا نام ؟ کہنے لگا —— " کمار " —— میں ششدر رہ گیا کہ ہمارے امیگریشن اور ایئر پورٹ کے ملازم جو کلمہ گو ہیں وہ اس اخلاق سے کیوں محروم ہیں —— ؟ ان میں تو دینی نقطۂ نظر سے بھی بلندئ اخلاق کا ہونا بہت ضروری ہے لیکن پاکستان میں ان لوگوں میں نہ تو دینی اعتبارات ھیں نہ ملازمت اور فرضِ منصبی کے اخلاق —— ہیتھرو ائیر پورٹ سے فون آیا کہ آپ کا بیگ مل گیا ہے اور رات کو بیگ ہڈرس فیلڈ میں سردار محمدؐ صاحب کے پتے پر پہنچا دیا گیا ۔ بیگ دیکھا تو اسکی زپ کی کنڈی پلاس سے توڑی گئی تھی یا تو کراچی والوں کا کمال تھا یا استانبول والوں کا ' اور حُسنِ اتفاق دیکھئے ' سید اسد اللّٰہ طارق گیلانی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ۔ سید مسعود گیلانی کے ساتھ بھی یہی بدسلوکی رَوا رکھی گئی اور غالب گمان یہی ہے کہ کراچی ائر پورٹ کے وحشی کسی " مال " کی توقع میں سادہ لوگوں کا مال ' درندوں کی طرح چیر پھاڑ ڈالتے ہیں یا پھر امیگریشن میں گھسے ہوئے رافضی اور مرزائی ہم لوگوں کو یوں تنگ کر کے دل برداشتہ کرنا چاہتے ہیں ۔

پُورا برطانیہ اِن دِنوں انفلوئنزا کی لپیٹ میں ہے اس نے مجھے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور مجھے خوب پچھوڑا —— اب الحمدللّٰہ ستّر فیصد فرق ہے ۔

اب تک گلاسکو ، لڈان کاسٹر ، ہڈرسفیلڈ ، ایڈنبرا ، اور مانچسٹر میں خطبات جمعہ عمومی نشستوں اور انفرادی و اجتماعی ملاقاتوں کی مصروفیت رہی ہے ۔ ۶ جنوری ۱۹۹۰ء کو ہڈرسفیلڈ میں احرار کانفرنس ہے ۔ باقی احوال آئندہ پہ اُٹھا رکھتا ہوں (انشاء اللّٰہ) والسلام ! سراپا احرار سید عطاء المحسن بخاری ، ہڈرسفیلڈ ۔ ایہ جارج سٹریٹ ۔

احرارِ ختم نبوت مشن (یوکے) کے رہنما

حسنِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

سید ذوالکفل بخاری

****

براءتِ عثمانؓ

مصنف : حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر : عبارت پبلیکیشنز، ملتان ۔ ضخامت : ۱۰۰ صفحات

قیمت : ۱۰ روپے ، کتابت / طباعت : اعلیٰ و معیاری ، سیلز پوائنٹ : بخاری اکیڈمی، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان ۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت و سیرت پہ لکھی گئی ہے اور اس کا بنیادی موضوع ردِّ مطاعن ہے۔ چونکہ مفقود النسب اور مخبوط الحواس "مؤرخوں" کی تعداد روز افزوں ہے اس لئے ایسی کتابوں کی اشاعت بھی اب اَدائے فرض کے زُمرے میں آتی ہے۔ کتاب کے تعارف میں ناشر نے لکھا ہے کہ: "قرآن و حدیث اور فقہ و عقائد پہ تفسیر، تفہیم، تعبیر، تاویل اور تجدید کے نام پہ برسوں کی کرم فرمائی کے بعد سید مودودی نے آخری عمر میں یارانِ رسولؐ کے ایمان و عمل کو بھی خود تراشیدہ عقل و منطق کی ترازو میں تولنا شروع کیا اور الحاد کی تائید کیلئے الہام کو استعمال کرنے کی غیر صالح کوشش کی"۔

براءتِ عثمانؓ میں ایسی ہی تاریخی و اعتقادی بد دیانتیوں اور قلمی شعبدہ بازیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے ناقدینِ صحابہؓ کا یہ محاسبہ اور ابطال اپنی جامعیت، متانت، سلامت، عام فہمی اور سب سے بڑھ کر شائستگی ایسی انمول خصوصیات کے سبب تقاضا کرتا ہے کہ اہلِ سنت کہلانے والے ہر ہر فرد کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ پوری ملّتِ اہلِ سنّت کو ناشرین کا شکر گزار رہنا چاہیئے کہ انہوں نے برسوں بعد ایسی عظیم الشان کتاب کی طباعتِ نو کا بحسن و خوبی اہتمام کیا ہے۔

براءۃ المحدّث عن افتراء المحدِث :

از : مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ

ناشر : دارالارشاد، مدنی روڈ، اٹک شہر

ضخامت : ۲۴ صفحات ، قیمت : درج نہیں ۔

یہ مختصر پمفلٹ اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں مولانا عبدالماجدؒ کے قلم سے حضرت

بقیہ ص ۵۶ پر

چمن چمن سے اُجالا

برطانیہ

سید خالد مسعود گیلانی

"احرار پوری دنیا سے مرزائیوں کا جنازہ نکال کر دم لیں گے"

قائد تحریک ختم نبوت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کا ہڈرسفیلڈ، گلاسکو، ایڈنبرا اور ڈان کاسٹر میں احرار کانفرنسوں، خطباتِ جمعہ اور دیگر اجتماعات سے خطاب

عالمی مجلس احرارِ اسلام کے جنرل سیکرٹری قائد تحریک ختم نبوت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ، ان دنوں "احرار ختم نبوت مشن" کی دعوت پر برطانیہ کے دو ماہ کے دورہ پر ہیں، ہڈرسفیلڈ، گلاسکو، ایڈنبرا اور ڈان کاسٹر میں آپ نے مختلف اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ عالمی مجلس احرارِ اسلام عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے مرزائیوں کا زبردست تعاقب کریگی انہوں نے کہا کہ مرزائیوں کے خلاف ہماری جدوجہد ستر برس پر محیط ہے اور ہم جانی و مالی قربانی دینے کے باوجود اب تک توانا اور زندۂ جاوید ہیں، مرزائیوں اور ان کے حاشیہ نشین حکمرانوں اور سیاست دانوں نے مل کر ہم پر مظالم کے پہاڑ توڑے مگر اللہ کی بخشی ہوئی قوتِ ایمانی سے اکابر احرار اور وفادار کارکنوں نے یہ پہاڑ پاش پاش کر دیئے ہیں، جبکہ مرزائیت دم توڑ رہی ہے۔ ان کے گرو بھاگ رہے ہیں۔ ان کے حوصلے پست ہو چکے ہیں، بزدلی اور منافقت ان کے ضمیر و خمیر میں شامل ہے اور شکست و ذلت ان کا مقدر ہے ——— انہوں نے کہا کہ ہم تھکنے والے نہیں ہیں۔ احرار پوری دنیا سے مرزائیوں کا جنازہ نکال کر دم لیں گے۔ ہم ہر اس خطہ پر ختم نبوت کا پرچم بلند کریں، جہاں منکرین ختم نبوت باقی ہیں، وقت آگیا ہے کہ اب مرزائیوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔

برطانیہ میں یوم تاسیس احرار کے اجتماع کے موقع پر قائدِ محترم کے علاوہ احرار ختم نبوت مشن کے رہنما سید اسد اللہ طارق، حافظ محمد عبد اللہ اور محمد اکرم راہی نے بھی خطاب کیا۔ اجتماعات کا سلسلہ جاری ہے آپ لندن، مانچسٹر، ڈنڈی، ڈیوزبری کے علاوہ دیگر کئی شہروں میں خطاب کریں گے۔

ربوہ :

حبیب اللہ رشیدی

- ربوہ میں مرزائیوں کے خلاف امتناعِ قادیانیت آرڈیننس کے تحت مقدمہ
- خلاف ورزی کا مقدمہ حقیقت پر مبنی ہے
- ربوہ میں قادیانیوں کی تعداد کے بارے میں مؤقف غلط ہے

گزشتہ دِنوں عالمی مجلس احرارِ اسلام کے مُبلّغ اور مسجد احرار کے خطیب مولانا اللہ یار ارشد کی شکایت پر مقامی پولیس نے امتناعِ قادیانیت آرڈیننس کی خلاف ورزی پر ربوہ میں مقیم تمام مرزائیوں کے خلاف مقدمہ درج کر لیا ہے۔ تین روزناموں کے نامہ نگاروں سمیت مرزائیوں کے سولہ مقامی عہدیداروں کے خلاف کلمہ طیبہ لکھنے پر علیحدہ علیحدہ مقدمات درج کئے ہیں۔ مولانا اللہ یار ارشد نے اپنے خطبۂ جمعہ میں کہا کہ خلاف ورزی کا یہ مقدمہ حقیقت پر مبنی ہے۔ کیونکہ ان کے مکانوں، دکانوں، مذہبی اور کاروباری اداروں اور قبروں پر قرآنی آیات درج ہیں جو آرڈیننس کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ انہوں نے قومی اخبارات کے ایڈیٹروں اور انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں کو دعوت دی ہے کہ وہ خود آکر مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ مرزائیوں نے ملکی قانون کا مذاق اڑایا ہے اور توہین کی ہے۔ انہوں نے مرزائیوں کے اس مؤقف کو بھی سراسر جھوٹ قرار دیا کہ ربوہ میں اُنکی تعداد پچاس ہزار ہے انہوں نے کہا کہ ان کا نبی بھی جھوٹا تھا اور اسکی اُمت بھی جھوٹی ہے۔ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ ربوہ اور اسکی اضافی بستیوں کو ملا کر کل آبادی پینتیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ جس میں مسلمان بھی شامل ہیں۔

****

بقیہ از صفحہ نمبر ۵۴ —

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع ہے اور جواب ہے سید مودودی مرحوم کے ایک رکیک حملے کا!

جی ہاں، مان لیجئے کہ مودودی صاحب ایسا تصوف بیزار آدمی ایک "برائے کشف" کی بنیاد پر شیخ مدنی (قدس سرّہ) کی قدح و مذمت میں زبان دراز کر سکتا ہے۔

عنوان دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ تحریر عربی میں ہوگی حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ مضمون بے شمار لوگوں کی معلومات میں اضافے اور غلط فہمیوں کے ازالے کا موجب ہوگا۔

محمد احمد معاویہ ، چیچہ وطنی

فتنۂ مرزائیت کے محاسبہ کے لئے مجلس احرار اسلام کی خدمات ناقابل فراموش ہیں
سیاسی اقتدار کو غلبۂ دین اور مسلمانوں کے تمام حقوق کے تحفظ کا ذریعہ بنایا جائے

چیچہ وطنی میں احرار ختم نبوت سنٹر اور دار العلوم ختم نبوت کی تقریب سنگ بنیاد
حضرت مولانا خان محمد مدظلہ اور حضرت سید عطاء المومن بخاری کا ایمان افروز خطاب،

ضلع ساہیوال روز اوّل سے سیاسی دینی تحریکوں کا مرکز رہا ہے مجلس احرار اسلام کے اکابر نے اس علاقے میں بڑی محنت کی ہے، یہاں کے دیہاتی اور شہری لوگوں میں دینی شعور کی بیداری اور سیاسی فکر کی بلندی مجلس احرار کی عوامی دینی جدوجہد کا نتیجہ ہے، ضلع ساہیوال میں چیچہ وطنی کو احرار حلقوں میں بڑی اہمیت حاصل ہے فداء احرار شیخ اللہ رکھا مرحوم نے یہاں شجر احرار کو اپنے خون پسینے سے پروان چڑھایا وہ اسم بامسمٰی تھے اور حقیقتاً فداء احرار تھے۔

شیخ صاحب مرحوم نے حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ سے ایک تعلق قائم کیا پھر تیس چالیس برس تک شاہ جیؒ کی جماعت مجلس احرار کیلئے جدوجہد کی اور زندگی کے آخری سانس تک احرار سے وابستہ رہے ابن امیر شریعت حضرت پیر جی قاری سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ ایک عرصہ یہاں قیام پذیر رہے آپ نے شبانہ روز محنت سے نوجوانوں میں دین کے لئے ایک تڑپ، جذبوں میں ترنگ اور جدوجہد کی اُمنگ پیدا کی۔ اور انہی نوجوانوں کی صورت میں احرار کو ایک نئی باعزم اور جوان قیادت فراہم کی۔

ایک عرصہ سے کارکنوں کے دل میں یہ خواہش انگڑائیاں لے رہی تھی کہ یہاں جماعت کے زیر اہتمام ایک تبلیغی تعلیمی مرکز قائم کیا جائے احرار نوجوان، نامساعد حالات، بے جا مخالفت اور مسلسل رکاوٹوں کو اپنے ردائے صبر وتحمل اور عزم وہمت سے توڑتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، الحمدللہ یہ خواہش محض اللہ کے فضل وکرم سے پوری ہوئی اور ۲۹ دسمبر ۱۹۸۹ء بروز جمعۃ المبارک مرکزی مسجد عثمانیہ ہاؤسنگ سکیم کے مقابل جدید مرکز احرار "احرار ختم نبوت سینٹر اور دار العلوم ختم نبوت" کی تقریب سنگ بنیاد منعقد ہوئی۔

مجلس عمل تحفظِ ختم نبوت کے امیر محسنِ احرار حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ نے صدارت فرمائی اور ضیغمِ احرار ابنِ شریعت حضرت مولانا سید عطاء المؤمن بخاری مدظلہ مہمانِ خصوصی تھے، مولانا محمد الیاس قاسمی نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سنبھالتے ہی حافظ محمد مسعود صاحب کو تلاوتِ قرآنِ کریم کی دعوت دی، جناب شفیق الرحمٰن نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیۂ نعت پیش کیا۔ مولانا سیف اللہ خالد خطیب مسجد عثمانیہ نے ترانۂ احرار سنایا۔ صدرِ محترم اور مہمانِ خصوصی کے ساتھ دوسری نشستوں پر حضرت مولانا پیر جی عبدالعلیم رائے پوری، خان محمد افضل صاحب اور جناب شیخ عبدالغنی صاحب فروکش تھے۔ یاد رہے کہ دارالسلام ختمِ نبوت کے لیے یہ قطعۂ زمین جناب شیخ عبدالغنی صاحب نے خرید کر اپنے والد ماجد جناب شیخ اللہ رکھا مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے اسے وقف فرمایا۔

ابتدائی کلمات کے لئے جناب عبداللطیف خالد چیمہ تشریف لائے، آپ نے کہا۔

صدرِ محترم، مہمانِ خصوصی! یہ اجتماع محض رسمی نہیں بلکہ اپنے جلو میں ایک بڑا مقصد لئے ہوتے ہے آج میری زندگی کا سب سے خوشگوار دن ہے میں اتنا خوش ہوں کہ جس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں، آج ہم احرار رضاکاروں کا خواب شرمندۂ تعبیر ہے۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء کو حضرت امیر شریعتؒ اور دیگر اکابر احرار رحمہم اللہ نے مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی، انگریز سامراج کے خلاف ایک نئے عزم کے ساتھ جدوجہد کا آغاز کیا، درجنوں ملی و قومی تحریکوں کو پروان چڑھایا، سیاسی میدان میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو منوایا اور دین دشمن قوتوں کے خلاف زبردست جہاد کیا۔

۱۹۵۳ء میں پاکستان کے ظالم اور سفاک حکمرانوں، دین کے غداروں اور قومی مجرموں نے نشۂ اقتدار میں بدمست ہو کر دس ہزار فدائین ختم نبوت اور مجاہدینِ احرار کے سینے گولیوں سے چھلنی کئے انگریز کے یہ روحانی جانشین اور سیاسی بدمعاش بزعم خود یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ بندوق اور گولی کی غنڈہ گردی سے احرار کی برپا کی ہوئی تحریک ختم نبوت کو کچل دیں گے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ظالم حکمران لاشوں کی سڑک تعمیر کر کے، خون کی ندیاں بہا کر مسلمانوں میں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کا جذبہ ٹھنڈا نہ کر سکے۔

ہم اکابر احرار کے بخشے ہوئے اسی جذبے اور ورثے کے امین ہیں، ہمیں ختم کرنے کے لئے دوست نما دشمنوں اور بیگانوں کا مشترکہ ظلم بھی تاریخ کا سیاہ باب ہے یہ کہانی اتنی دردناک ہے کہ میں آج کی خوشی کو اس سے تلخ نہیں کروں گا۔

چیچہ وطنی میں فدائے احرار شیخ اللہ رکھا مرحوم اور حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری احرار کے عظیم

محسنین ہیں جنہوں نے جذبۂ احرار ہم نوجوانوں میں منتقل کیا پھر ہم احرار نے سیاسی بکھیڑوں سے ہٹ کر مرزائیت و رافضیت کے محاذ پر اعتقادی جنگ لڑی اور ان کے کفریہ اثرات کو اس شہر سے نکال باہر کیا۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم نے مرزا طاہر کو چیچہ وطنی سے بھگایا اور اس کا جلسہ روک دیا، مرزائی آج تک یہاں اپنا "مرزواڑہ" قائم نہیں کر سکے۔

الحمدللہ، اسی شہر میں جماعت کے دو مراکز قائم ہیں جن میں ایک سو سے زائد بچے دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں لیکن آج جدید مرکزِ احرار کا قیام عمل میں آرہا ہے، حضرت مولانا خان محمد مدظلہٗ اور حضرت سید عطاء المؤمن بخاری مدظلہٗ اس کا سنگِ بنیاد رکھیں گے، انشاء اللہ یہ سینٹر دوسرے دینی اداروں سے منفرد ہوگا اور نوجوان دینی تیاری فراہم کرنے میں سنگِ میل ثابت ہوگا۔

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان کے مدیر سید محمد کفیل بخاری نے صدر محترم حضرت مولانا خان محمد ظلہٗ کا پیغام سامعین کو پڑھ کر سنایا جو درج ذیل ہے:

احرار وفاداروں کے نام!

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مجھے انتہائی خوشی ہے کہ مجلس احرارِ اسلام نے چیچہ وطنی میں "احرار ختم نبوت سینٹر" اور دارالعلوم ختم نبوت کے نام سے تبلیغی اور تعلیمی ادارہ قائم کر دیا ہے اس کے علاوہ ملک کے اندر اور بیرونِ ملک بھی احرار نے بیشمار تبلیغی دینی مراکز قائم ہیں احرار اور عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ لازم وملزوم ہیں مجلس احرارِ اسلام برصغیر کی ایک ایسی جماعت ہے جس نے بیک وقت سیاسی تعلیمی تبلیغی سماجی، ملّی اور قومی محاذوں پر زبردست جدوجہد کی۔ بانیٔ احرار امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دیگر اکابرِ احرار نے خصوصاً فتنۂ مرزائیت کے خلاف سب سے پہلے عوامی سطح پر آواز بلند کی اور ریاستِ مرتدہ کا تعاقب کیا ۱۹۳۴ء میں قادیان میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے اور جماعت کے مستقل تبلیغی شعبہ "تحریک تحفظ ختم نبوت" کی بنیاد رکھی، مدرسہ اور مسجد ختم نبوت قائم کر کے مبلغین احرار کی ایک مس— جماعت قادیان میں متعین کر دی۔

آج سے ٹھیک ساٹھ برس پہلے آج ہی کے دن ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء کو حضرت امیر شریعتؒ نے مجلس احرارِ اسلام کی بنیاد رکھی اور آج اسی تاریخ کو یہاں "احرار ختم نبوت سینٹر" اور دارالعلوم ختم نبوت" کی بنیاد رکھی جا رہی ہے میں مجلس احرارِ اسلام کے اکابر اور کارکنوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں جنہوں نے حوادثِ زمانہ سے بے پرواہ

ہو کر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی شمع روشن رکھی اور آج بھی اس عظیم مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں، تمام مسلمان احرار سے تعاون کریں اور اس مرکز کی تعمیر و تکمیل میں بھرپور حصہ لیں۔

اللہ تعالیٰ مجلس احرارِ اسلام کے تمام مراکز کو فعال اور کامیاب بنائے اور دین کی اس محنت میں کام کرنے والے تمام کارکنوں اور سب دینی اداروں کا تحفظ فرمائے۔ مجلس احرارِ اسلام چیچہ وطنی کے اراکین بھی مبارک باد کے مستحق ہیں جو پورے اخلاص کے ساتھ عرصہ دراز سے مرزائیت و رافضیت کا بھرپور تعاقب کرتے چلے آرہے ہیں میں ان کے لئے دُعاگو ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید اخلاص اور کامیابیاں عطا فرمائے۔

[illegible]

مہمان خصوصی حضرت سید عطاء المومن بخاری مدظلہ نے اپنے مختصر خطاب میں فرمایا :-

اس اجتماع میں صدرِ محترم حضرت مولانا خان محمد مدظلہ کی تشریف آوری خیر و برکت کا باعث ہے کہ آپ نے اپنے معروف ترین اوقات میں سے کچھ حصہ ہمیں عنایت فرمایا اور ہم احرار کارکنوں کو اپنی دُعاؤں میں شامل فرمایا۔

آپ نے کہا کہ مختلف ذہنوں میں یہ سوال اُبھرتا ہے اور بارہا اس کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ برصغیر میں دوسری دینی و سیاسی جماعتوں کی موجودگی میں "احرار" کے قیام کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ ہوسکتا ہے کسی کم ظرف اور تنگ نظر کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ احرار کا قیام معاصرانہ چشمک یا دوسری دینی جماعتوں سے اختلاف کا نتیجہ تھا، لیکن یہ بات حقیقت کے خلاف ہے اور میں اس کی پُرزور تردید کرتا ہوں، اصل صورتحال یہ ہے کہ انگریز کے نظام ریاست تعلیم، سیاست اور معاشرت کا بڑا مقصد مسلمانوں کو ذلیل و رُسوا کرنا اور اسی کے تحت انہیں ہمیشہ کے لئے غُلام رکھنا تھا وہ ہندوؤں سے زیادہ مسلمانوں سے خائف تھا اس لئے کہ "شرک" ہندو اور انگریز کی قدر مشترک تھی وہ اس بات کو شعوری طور پر سمجھتا تھا کہ میرے اصل دشمن مسلمان ہیں اور میں نے اقتدار انہی سے چھینا ہے، میری لڑائی ہندو سے نہیں مسلمانوں سے ہے۔ وہ تہذیبی سیاسی اور تعلیمی لحاظ سے مسلمان کو زیردست رکھنا چاہتا تھا مبادا یہ ہندوستان کے اقتدار پر قابض ہو جائیں، چنانچہ اس نے مسلمانوں خصوصاً اُن کی دینی قیادت کے اقتدار تک پہنچنے کے تمام راستے مسدود کر دیئے۔ لارڈ کرزن کے نظامِ ریاست اور لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم سے علماء کو رسوا کیا گیا، اعتقادات و اعمال مجروح کیے، جعلی نبی پیدا کیا، دین میں بدعتوں کو رواج دیا، تہذیبی محاذ

سے مسلمانوں کو دین سے دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور تمام ماحول دین کے خلاف بنا دیا۔

مسلمانوں کی دوسری سیاسی جماعتیں اور علماء اپنے انداز میں کام کر رہے تھے احرار اُن کے کام کو نہ تو غلط کہتے تھے اور نہ اس میں مداخلت کر کے انہیں پریشان کرنا چاہتے تھے۔ ان حالات میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، چودھری افضل حق، مولانا ظفر علیخان، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور مولانا مظہر علی اظہر رحمہم اللہ نے مل بیٹھ کر فیصلہ کیا کہ جو محاذ خالی ہے اُن پر ایک عوامی حملہ بولا جائے اور انگریزی اقتدار کی چولیں ڈھیلی کر کے اس کی بساط لپیٹ دی جائے چنانچہ اکابر احرار نے علماء کے تعاون و اشتراک، ان کی سرپرستی اور مشورہ سے مجلس احرارِ اسلام کی بنیاد رکھی، اُن میں محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی شخصیت خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جنہوں نے ذاتی دلچسپی لے کر مجلس احرار کو پروان چڑھایا، اور اکابر احرار کو فتنۂ مرزائیت اور دیگر باطل قوتوں کے عوامی محاسبہ کا حکم فرمایا۔

احرار نے جدید سیاسی نظام میں عقیدۂ ایمان کے تحفظ کے ساتھ حصہ لیا اور سیاست کو دین کا حصہ قرار دے کر بدزبانوں کو لگام دی۔ مسلمانوں میں دینی اقدار کے تحفظ و بقا کے لئے سیاست کرنے کا جذبہ پیدا کیا، مجلس احرار کے قیام کے فوراً بعد اکابر احرار نے کشمیر میں مسلمانوں پر ڈوگرہ شاہی کے مظالم کے خلاف تحریک کشمیر کا آغاز کر دیا اس تحریک کے اثرات ہندوستان کی پوری سیاست پر ہوئے، ساٹھ ہزار احرار کارکن جیلوں میں قید ہوئے سینکڑوں شہید اور ہزاروں زخمی ہوئے۔ بالآخر ڈوگرہ شاہی نے گھٹنے ٹیک دیئے اور احرار اس تحریک میں فاتح کی حیثیت سے سرخرو ہوئے اسی سے عوام میں احرار کا اثر گہرا ہوتا چلا گیا، پھر تحریک مسجد منزل گاہ سکھر تحریک کپورتھلہ، تحریک ناموسِ رسالت (راجپال ایجی ٹیشن) اور سب سے بڑھ کر تحریک ختم نبوت نے احرار کے وقار میں اضافہ کیا۔

مجلس احرار نے مذہب و سیاست کو یکجا کر کے ایسی عوامی قوت حاصل کی جس نے نہ صرف علماء، دینی جماعتوں اور اداروں کا تحفظ کیا بلکہ دین کے تحریکی اور تبلیغی عمل کو تیز کر کے علماء کے لئے کام آسان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اکابر احرار کو ہر گام اور ہر منزل فتح و کامرانی سے نوازا۔ سیاسیات میں احرار کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ

"سیاسی اقتدار کو غلبۂ دین اور مسلمانوں کے تمام حقوق کے تحفظ کا ذریعہ بنایا جائے اور اس کا حصول

بقیہ ص ۱۵ پر

پیاس کا الاؤ

ٹی وی کے ارباب تو خیر ہیں ہی ماشاء اللہ، ان کے کارندے اُن سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ گزشتہ دِنوں انیتا ایوب جو آج کل کراچی ٹی وی کے ارباب کو بہت عزیز ہے، نے ایسی گوہر افشانی کی ہے کہ لوگ اب تک محوِ حیرت ہیں کہ واقعی یہ عورت پاکستانی تہذیب ہی کی پروردہ ہے۔ اس خاتون نے اپنی لقراطیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"جب مرد کو چار عورتوں سے شادی کی اجازت ہے
تو عورت کو بھی چار مردوں سے شادی کی
اجازت دی جائے۔"

اب بھلا، ان کے اس بیان پر کوئی کیا کہے ——— ؟ بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے۔ ورنہ آپ پر تو پہلے بھی کوئی ضابطہ لاگو نہیں ہوتا۔ آپ تو جس اِدارے سے وابستہ ہیں اس کی داستانیں تو پہلے بھی خاص و عام سے "دادِ تحسین" حاصل کر چکی ہیں۔ وہاں تو پہنچنے کے لئے بھی بجانے کتنے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ کتنے ارمانوں کا خون کرنا پڑتا ہے ——— تب کہیں جا کر وہ پھول کِھلتا ہے، جس کی تمنّا میں ہی آپ نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ آپ تو جو کچھ کر رہی ہیں یا کرتی رہی ہیں وہ آپ کو مُبارک! کم از کم پوری قوم کے منہ پر تو وہ کیچڑ ملنے کی کوشش نہ کریں جو آپ کو ہر قدر سے زیادہ عزیز ہے۔

نوائے وقت ملتان (یکم جنوری ۱۹۹۰ء) کے ثقافتی صفحہ میں شامل
عرضداشت سے اقتباس

ربوہ کے دس ہزار سے زائد پہاڑی مزدوروں کو بیروزگاری اور فاقہ کشی کا شکار ہونے سے بچایا جائے

چک ڈھگیاں المعروف ربوہ تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ کی سرزمین پر پہاڑیوں کا قدرتی خزانہ موجود ہے جس سے حکومت کو لاکھوں روپے سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔ اور دس ہزار سے زائد مسلم مزدوران پہاڑیوں پر کام کرتے ہیں۔ جن کا ذریعہ معاش یہی پہاڑیاں ہیں۔ مرزائی ربوہ میں مسلم مزدوروں کا وجود برداشت نہیں کرسکتے اور کافی عرصہ سے طرح طرح کی سازشیں کر رہے ہیں۔ انھیں سازشوں کے تحت ربوہ کی پہاڑیوں کو ممنوعہ علاقہ قرار دیکر مسلمان مزدوروں کو بیروزگار کرنیکی کوشش کی گئی ہے اور ایک غیر مسلم اقلیت کو مسلم اکثریت پر مسلط کر کے اُن کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ جو پاکستان بھر کے مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ ان پہاڑیوں کو ممنوعہ قرار دینے سے تو حکومت کو لاکھوں روپے کا نقصان ہوگا۔ اور دس ہزار سے زائد غریب محنت کش مزدور فاقہ کا شکار ہو جائیں گے۔ ہمارے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرانے والے محنت کش مزدور راست اقدام اُٹھانے پر مجبور ہوں گے۔ جسکی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ہوگی ——— !

مطالبات

(۱) ممنوعہ پہاڑیاں نمبر ۱۱-۱۱۱-۱۲-۱۴-۲۳-۱۹-۲۴-۲۵-۲۶-۲۷ کو فوراً نیلام کیا جائے۔ (۲) بجلی، پانی، رہائش، ہسپتال، تعلیم اور دیگر سہولتیں فراہم کی جائیں۔ (۳) مزدوروں کو جانی و مالی تحفظ فراہم کیا جائے۔ (۴) پہاڑی کا سابقہ ٹھیکہ ختم ہونے سے تین ماہ قبل نئی آکشن کر دی جائے تاکہ پہاڑی پر کام جاری رہے اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ایسا نہ ہو تو حکومت اپنے نمائندے کے ذریعہ رائلٹی وصول کرے اور کام جاری رہے۔ (۵) بلدیہ ربوہ کیطرف سے ناقابل برداشت ناجائز ۲ روپے ڈیپرسلی لیشن ٹیکس ختم کیا جائے۔ (۶) ٹھیکیداروں سے مائینز ایکٹ کے تحت مزدوروں کو تمام سہولتیں دلوائی جائیں۔ (۷) ھیڈ کلرک مقصود احمد باجوہ قادیانی کو فوراً معطل کیا جائے۔ (۸) مسلم کالونی کے پلاٹوں پر ناجائز ٹیکس اور سود معاف کیا جائے۔ (۹) کچی آبادی کے مکینوں کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں۔ (۱۰) ۲۵ لاکھ کی گرانٹ سے ربوہ میں مزدوروں کے لئے منظور شدہ ڈسپنسری، لیبر ہال اور کنٹین کی تعمیر شروع کی جائے

منجانب: مولانا اللہ یار ارشد مُبلّغ مجلس احرارِ اسلام خطیب مسجد احرار ربوہ
صدر فیصل لیبر یونین پہاڑیاں، ربوہ چنیوٹ ضلع جھنگ

مرتضیٰ خاور

سرخی جگنی

یہ جگنی نئی نویلی ہے
سرخوں سے ہم نے لے لی ہے
بھتی پیاری سے البیلی ہے
واہ اس سرخی جگنی کیا کہنے
ہاں کیا کہنے جی کیا کہنے
کیا رخ پہ اس کے لالی ہے
اک آمر نے یہ پالی ہے
یہ جگنی دیکھی بھالی ہے
یہ ماؤ کی چاہنے والی ہے
اور لینن کی متوالی ہے
منہ سرخ اور دل کی کالی ہے
ہے درد اسے مزدوروں کا
ناداروں کا مجبوروں کا
خود ٹولہ ہے مغروروں کا
قسمیں یہ سو سو کھاتی ہے
اور آنکھوں کو چمکاتی ہے
پھر ہاتھوں کو پھیلاتی ہے
یہ حرص و ہوا کی ماری ہے
اسے مسند کی بیماری ہے
یہ پاپی ایک شکاری ہے

ہر شہر میں خوب اچھلتی ہے
ہر جگہ یہ رنگ بدلتی ہے
خود اپنی آگ میں جلتی ہے
یہ نام اسلام کا جپتی ہے
قرآن پہ ہاتھ بھی رکھتی ہے
پر کلمہ غیر کا پڑھتی ہے
یہ حافظ لال کتابوں کی
یہ عاشق سرخ شرابوں کی
اور حامی خون خرابوں کی
یہ سوشل بین بجاتی ہے
پھر کولھوں کو مٹکاتی ہے
کیا خوب یہ ناچ دکھاتی ہے
یہ تاش کے راز بتاتی ہے
کبھی روتی ہے کبھی گاتی ہے
اور پیٹ کے ڈھول بجاتی ہے
یہ چنچل شوخ کھلاڑی ہے
کبھی الٹی ہے کبھی آڑی ہے
رگ ہم نے اس کی تاڑی ہے
واہ سرخی جگنی کیا کہنے
ہاں کیا کہنے جی کیا کہنے

آئیے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے!

ہمارے دینی ادارے اور مستقبل کے منصوبے

مسلمان توجہ فرمائیں

★ — مجلس احرارِ اسلام دینی انقلاب کی داعی ہے۔ دینی انقلاب — دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۹۲۹ء سے آج تک احرار نے بیسیوں تحریکوں کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ احرار کی سب سے بڑی، مضبوط اور زندہ تحریک **تحریکِ ختمِ نبوت** ہے۔

★ — پاکستان سے پہلے اور پاکستان کے بعد احرار نے سینکڑوں دینی ادارے قائم کیے جن سے اُمتِ مسلمہ میں دینی مزاج عام اور دینی قوتوں میں اضافہ ہوا۔ اکابرِ احرار نے ایک بات شدت سے محسوس کی کہ جب تک دینی ادارے بنیادی طور پر احرار کی نگرانی میں نہیں چلتے اُس وقت تک یکجہتی پیدا ہونا مشکل امر ہے۔ لہٰذا ہم نے اُمتِ مسلمہ کے تعاون سے اندرون و بیرونِ ملک دینی ادارے قائم کئے ہوئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یوں ہے:

★ مدرسہ معمورہ — مسجدِ نور، تغلق روڈ ملتان

★ مدرسہ معمورہ — دارِ بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان

★ مدرسہ محمودیہ معمورہ — ناگڑیاں ضلع گجرات

★ جامعہ ختمِ نبوت — مسجد احرار متصل ڈگری کالج ربوہ - فون نمبر: ۸۸۶

★ مدرسہ ختمِ نبوت — سرگودھا روڈ ربوہ

★ دارالعلوم ختمِ نبوت — چیچہ وطنی - فون نمبر: ۲۹۵۳

★ مدرسہ ابوبکر صدیق — تلہ گنگ ضلع چکوال

★ یوکے ختمِ نبوت مشن — (ہیڈ آفس) گلاسگو، برطانیہ

یہ ادارے سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبے، مسجد احرار ملتان، مدرسہ معمورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیشِ نظر زمین کی خرید اور تعمیرِ نو، دفاتر کا قیام، بیرونی ممالک میں مبلغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام، پچاس کتابوں کی اشاعت — یہ تمام کام اُمتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاون سے ہوگا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

تعاون آپ کریں دُعا، ہم کریں گے اور اجر اللہ پاک دیں گے — آئیے، آگے بڑھیے اور اجر کمائیے۔

سیّد عطاء المحسن بخاری
مدیر مدارس التحفیظ والمساجد
دارِ بنی ہاشم ○ پولیس لائنز روڈ ○ ملتان
ترسیلِ زر کے لئے: اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان

Monthly
Phone : 72813
NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWWAT
Regd. L. No. 8755
MULTAN
Vol. 1
No. 1

زیرِ تعمیر :

فون: ۷۲۸۱۳

جامع مسجد ختمِ نبوّت

دارِ بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان

زیرِ اہتمام: تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

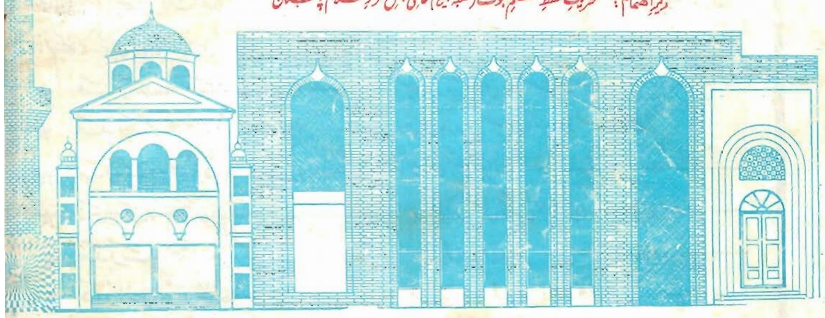

مسجد کی بنیادیں مکمل ہو چکی ہیں، تعمیر کی تکمیل میں بھرپور حصّہ لیں، نقد و سامانِ تعمیر

دونوں صورتوں میں تعاون فرمائیں — ترسیلِ زر کیلئے :

منتظم و متولی ابنِ امیرِ شریعت سیّد عطاء المحسن بخاری، دارِ بنی ہاشم — ملتان

اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان